ادب و تاریخ

① مریادا پرشوتم رام

② لوگ راج کرشن

③ بھیشم پرتگیا - رشی

دروپدی سوئمبر - گیتا -

کرکشیتر - شانتی پرب

از

نفیس خلیلی

رامائن منظوم

ادب و تاریخ

"مریادا پرشوتم رام"

نفیس خلیلی

۲

منظوماتِ نفیس

یوگی راج کرشن عہ؍

بھیشم پرتگیا ۔۳؍

دروپدی سوئمبر ۔۳؍

گیتا ۵؍

کرکشیتر ۔۶؍

شانتی پرب ۳؍

ملنے کا پتہ

نفیس بُک ایجنسی

کوچہ سندھی خاں کوتوال

امرت سر

زبانِ اردو

خود پنجابی ہوں، لیکن چونکہ پنجابی زبان "رامائن" کی عالگیر عظمت کیلئے قبائے تنگ ہے۔ دوسرے لفظوں میں اردو اور فارسی کی ادبی کتر و بیونت سے بچے ہوئے بیشمار رایگاں ٹکڑوں کی ایک بے اصول طریق سے سلی ہوئی ہفت رنگی گدڑی اس قابل نہیں کہ شری اودھیش عزّاسمہٗ کا ملبوس بن سکے لہذا مریادا پرشوتم رام کے مقدس حالاتِ زندگی کو منظوم اردو میں پیش کرتا ہوں، جو کہ آج ہندوستان بھر کی واحد زبان ہے۔

پنجابی لٹریچر کی وسعت معلوم، پنجاب کے اندر یہ حال ہے کہ ہر دس بیس کوس کا بُعد اسکی لفظی اور معنوی حیثیت بگاڑ دیتا ہے۔ شاہراہِ رفاقت میں قدم قدم پر تھک کر بیٹھ جانیکی عادی مجرم ہے لیکن رفیقِ سفر اردو ہے کہ آپ بنارس سے بغداد چلے جائیے یہ ساتھ نہیں چھوڑیگی حتّیٰ کہ آپ لنڈن پہنچ جائینگے

"نفیس خلیلی"

گیسوئے شادی ہیں لہرائے ہُوئے
چہرۂ گیتی پہ بَل کھائے ہُوئے
چاندنی ہے اور نظر آزاد ہے
یہ سماں تازہ تریں ایجاد ہے
آنکھ پیمانہ ہے مے نظارگی
گردشوں کا نام ہے سیّارگی
لحنِ فطرت اِس بلا کا سادہ ہے
پیرِ گردُوں رقص پر آمادہ ہے
شامِ غم نے پائی آہٹ چاند کی
کھِلکھلائی مُسکراہٹ چاند کی
چرخِ نیلی سے ڈھلا انجم سا کچھ
پھِر گیا آنکھوں میں لفظِ قُم سا کچھ

ظلمتِ عصیاں میں ضَو پیدا ہُوئی
اور بخطِ ماہِ نَو پیدا ہُوئی
چشم و دل کے درمیاں پیدا ہُوئی
دفعتاً تصویرِ جاں پیدا ہُوئی
رنگ نکھرا ہے رُخِ ایجاد کا
شور سُنتا ہُوں مُبارکباد کا
قصرِ شاہی میں طلب ہے شاہ کی
راہ تکتے ہیں ستارے ماہ کی
ذکر انعاموں کا سکھیوں میں ہُوا
فیصلہ اس کا کنکھیوں میں ہُوا
لیکے خوشخبری دو وشنک آ گئے
ذرّے دامانِ کرم تک آ گئے

گود میں کوشلیا کی چاند ہے
ماند ہے خورشیدِ گردوں ماند ہے
چشم گویا ہے زباں خاموش ہے
بیہُشی کی اک شبیہِ ہوش ہے
آج سچ مچ کی مہارانی ہوئی
پہلا موقع ہے کہ مَن مانی ہوئی
سال بھر کا جبکہ وہ کمسن ہُوا
جشنِ شاہی کا مقررہ دِن ہُوا
دِل کے دریا میں اُٹھی ہے مَن کی موج
برکھا رُت میں دیکھیے ساون کی موج
قصرِ شاہی بقعۂ انوار ہے
رام نومی آج پہلی بار ہے

اِک نگیں تھا ناتراشیدہ ابھی
اِک گُلِ رعنا تھا ناچیدہ ابھی
حُسنِ یکتائی تھا نادیدہ ابھی
لعل گدڑی میں تھا پوشیدہ ابھی
وُہ بلوغت میں نہ آئے تھے ہنوز
کچھ جواں ہونے نہ پائے تھے ہنوز
خطِّ عارض میں جواب آیا نہ تھا
الغرض عہدِ شباب آیا نہ تھا
آئے وشوامترجی دربار میں
گڑگڑا کر عرض کی سرکار میں
مجھ پہ راجن مہربانی کیجئے
شاہ بولے۔ دُرفشانی کیجئے

راکشش بن میں ستاتے ہیں شہا
موقع پاکر چھیڑ جاتے ہیں شہا
حملہ زن ہوتے ہیں بلکہ سب کبھی
میں لگاتا ہوں سمادھی جب کبھی
چین تک لینے نہیں دیتے مجھے
مجھ سے کہتے ہیں "رلائینگے تجھے"
تاڑکا بیری ہے ہر انسان کی
تاڑکا دشمن ہے میری جان کی
اک مجسم ہے کثافت تاڑکا
تاڑکا آفت ہے آفت تاڑکا
ختم کیوں کر عہد پیری کیجئے
ناتواں ہوں دستگیری کیجئے

رگھبر و لچھمن کو لیکر جاؤں گا
تب کہیں اُس سے خلاصی پاؤنگا
شیر دیجے پاسبانی کے لئے
دشت میں ہیبت فشانی کے لئے
ماہرو، جلوہ نمائی کے لئے
نور، اس دل کی صفائی کے لئے
بات کہہ کر بات پر وہ اَڑ گیا
ایک گہری سوچ میں شہ پڑ گیا
طبع ارکانِ شہی دلگیر ہے
ابتدائے فُرقتِ رگھبیر ہے
بادلِ محزوں کہا۔ "لے جائیے
اور کچھ اس کے سوا فرمائیے"

ضیغموں کا شورِ آمد بَن میں ہے
رُوح گھبرائی ہوئی سی تن میں ہے
سارا جنگل اِک پریشانی میں ہے
دَشت کا آئینہ حیرانی میں ہے
جانور ہیں گوش بر آواز سب
چُھپ گئے گُرگانِ حیلہ ساز سب
بارہا گونجا درندہ خوف میں
غم ہُوا مصروف دِل کے طَوف میں
ہَیبتیں چھائی ہُوئی صحرا پہ ہیں
غوطہ زَن سب منتظر دَریا پہ ہَیں
اب فقط اِک زلزلے کی دیر ہے
بس سمجھ لیں گے کہ سر پر شیر ہے

چاند نکلا مسکرائی چاندنی
چار سو جنگل میں چھائی چاندنی
نورِ عرفاں سے منوّر دشت ہے
دستِ فطرت میں بلوریں طشت ہے
روز و شب ہوتی ہے اب چلہ کشی
بندگی میں محو ہیں وشوا رشی
بے خطر ہیں دشمنِ سفاک سے
لو لگائے ہیں خدائے پاک سے
ڈھونڈھتی ہے جب سمادھی میں نظر
آنکھ پڑتی ہے رُخِ رگھبیر پر
قلب کہتا ہے کہ تو نادان ہے
سامنے تیرے شری بھگوان ہے

دشت سے ایسے بھگائے راکشش
پھر نہ اِس دُنیا میں آئے راکشش
جا بجا لاشوں سے جنگل بھر گئے
دشت کو اشرار خالی کر گئے
مار ڈالی حملہ آور تاڑکا
موت پر کر دی نچھاور تاڑکا
ظُلم کے بانی مبانی مِٹ گئے
جنگجو دستِ قضا سے پِٹ گئے
مشکلیں آساں ہوئیں اِنسان کی
مِہربانی چاہئے بھگوان کی
اَمن قائم بَن کے اندر ہو گئے
عام صحرا خُلد منظر ہو گئے

رونقیں جنگل میں پیدا ہوگئیں
قدرتیں حق کی ہویدا ہوگئیں
وجد میں نخلوں کے سر ہلنے لگے
بچھڑے مدت کے گلے ملنے لگے
شاخ نازک کچھ یونہی جھک آئی ہے
حورِ فطرت لے رہی انگڑائی ہے
چشمہ ہائے آبِ شیریں خوب ہیں
کوثر و تسنیم سے منسوب ہیں
خاکِ صحرا کا نظارا دیکھئے
جی میں آتا ہے دوبارا دیکھئے
سبز ٹیلوں کی شمالی چوٹیاں
فکرِ شاعر سے ہیں عالی چوٹیاں

ختم بچپن کا زماں ہونے کو ہے
لفظ سے معنی عیاں ہونے کو ہے
خامشی دِل کی زباں ہونے کو ہے
بِن کہے مطلب بیاں ہونے کو ہے
آ گئی سیتا سوئمبر کی ہوئی
عین خواہش قلبِ رگھبر کی ہوئی
آئینہ چشمے کا رکھ کر رُو برُو
بال سُلجھانے لگے وُہ خُوبرُو
زُلف دیکھی رُوئے گُلگوں دیکھکر
خط کو دیکھا، خط کا مضمُوں دیکھکر
دونو حاضر بَن سنوّر کر ہو گئے
چاند نِکلے، بَن منوّر ہو گئے

راہِ حق میں راہ رَو دیکھا کئے
اہلِ بینش سَو کے سَو دیکھا کئے
دیر تک اور دُور تک دیکھا کئے
آہُو آنکھوں کی چمک دیکھا کئے
ذرّے ذرّے کو طلائی کر دیا
دَشت کے دامن کو زر سے بھر دیا
چہچہاتے ہیں پرندے' دیکھ کر
سہم جاتے ہیں درندے' دیکھ کر
ساتھ ساتھ اُن کے چکور آتے رہے
چال پر مِٹنے کو مور آتے رہے
ابرِ رحمت کی گھنی چھاؤں میں تھا
خیر مَقدم اُس کا صحراؤں میں تھا

مُہماں شاہِ جنک کے آئے ہیں
توڑنے والے دھنک کے آئے ہیں
یہ تھکے ماندے تھے جلدی سو گئے
بے نیاز، اِک بار غافل ہو گئے
جب ہُوا دردِ زباں نامِ سحر
چرخ پر چھلکا جُوںہی جامِ سحر
بولے وشوا "دِن چڑھ آیا جاگئے"
پیار سے شانہ ہلایا، جاگئے
بختِ خفتہ! صبح کا ہنگام ہے
جاگنا تیرا مفیدِ عام ہے
کھولدیں آنکھیں اشارے ہنس پڑے
چرخِ نیلی کے ستارے ہنس پڑے

صُبحدم تازہ ہوا کھانے چلے
آنکھ کو پھولوں سے بہلانے چلے
کون اس گلشن میں جلوہ گر ہُوا
باغ رضواں سربسر منظر ہُوا
جُھک کے شاخِ گُل نے نرگس سے کہا
کوئی آیا ہے پیاری دیکھنا
گُل کا یہ عالم ہمہ تن گوش ہے
سوسنِ جادو بیاں خاموش ہے
بُوئے گُل نے راہ میں روکا نہ کیوں
عندلیبوں نے اُنہیں ٹوکا نہ کیوں
پھول نے غصّہ سے رنگت لال کی
خُوب غمّازوں نے ہم سے چال کی"

نو عروسانہ حیا چھائی ہوئی
پیاری پیاری آنکھ شرمائی ہوئی
طبعِ نازک سخت گھبرائی ہوئی
سانس پھولی شکل کملائی ہوئی
روئے گلگوں پر عرق آیا ہُوا
آنکھ نے دِل پر ستم ڈھایا ہوا
حاضرِ خدمت سہیلی ہو گئی
بوجھنے کو اِک پہیلی ہو گئی
چیانگی بولی "دلہن تو کھولئے!
کچھ میاں مٹھو زباں سے بولئے
کچھ تو کہہ آخر نگوڑی کیا ہوا
کنجِ گلشن سے جو دوڑی، کیا ہوا؟

بولی، ''آنکھوں کو زباں حاصل نہیں
لُطف حاصل ہے بیاں حاصل نہیں
حُسن کو ظاہر زباں کیوں کر کرے
بات اَن دیکھی بیاں کیوں کر کرے
بولتی ہے، دیکھ سکتی کاش وُہ
دیکھتی ہے جو، چہکتی کاش وُہ
کاش! تم سُنتی زبانی آنکھ کی
دیکھتی جادُو بیانی آنکھ کی
چشمِ نگراں کو زباں کیونکر کروں
مَیں نے کیا دیکھا، بیاں کیونکر کروں
رکھ نہ دی قادر کلامی آنکھ میں
رہ گئی یہ ایک خامی آنکھ میں''

پھول دو کھلتے ہوئے دیکھ آئی ہوں
نُور دو ملتے ہوئے دیکھ آئی ہوں
چاند کے ٹکڑے، سکھی، آئے نظر
آج شاید ہو گیا شق القمر
جلوہ پاشی میں وہ دونو برق ہیں
مہوشوں میں صرف قد کے فرق ہیں
شکل پائی ہے تمہاری شان کی
نیچی نظروں، مسکرائی جانکی
کیا ہی پیارے ہیں وہ دونو نیک سے
کاش بیاہی جاؤ اِن میں ایک سے
شرم کے مارے سیا شرما گئی
حسن کی، سکھیوں میں شامت آگئی

یہ لجھائی وہ، پسینہ آگیا
اجنبی کا رُعب دِل پر چھا گیا
تتلیاں کچھ جانبِ گُل آئی ہیں
لمبی لمبی گردنیں نیہوڑائی ہیں
چال شرمیلی، قدم رُکتے ہوئے
قد، ہلال عید سے جھکتے ہوئے
دیکھتی ہیں نقشِ پا نکھرے ہوئے
پھول، صحن باغ میں بکھرے ہوئے
خندۂ گل، پاؤں کی آواز ہے
کون یوں محوِ خرامِ ناز ہے
پاس سے گذرے، ٹھٹک کر رہ گئیں
آنکھ کے دامن جھٹک کر رہ گئیں

مُڑ گئیں ناگاہ سب کی گردنیں
تھک چکی ہیں آہ! کب کی گردنیں
ڈوبی حیرت میں جماعت ساٹھ کی
”خُوبصُورت پُتلیاں ہیں کاٹھ کی“
سب سے پیچھے تھی، پر اب ہے سامنے
مُڑ کے دیکھا جو سیا کو، رام نے
صنعتِ پروردگار آئی نظر
دِل کی صُورت، بار بار آئی نظر
دِل میں اَبرُو کی جھلک آئی کماں
دوشِ رگھبر سے ڈھلک آئی کماں
غمزہ نقدِ جاں کا سائل ہوگیا
دِل کئی پہلو سے مائل ہوگیا

آنکھ، دِل کے رُو برُو ہوتی رہی
گردشِ جام و سبُو ہوتی رہی
بادہ نوشی دُو بدُو ہوتی رہی
کیفیت پر گفتگو ہوتی رہی
دیدِ رُخ کی آرزُو ہوتی رہی
نگہِ دُزدیدہ لہُو ہوتی رہی
خاک پر اِک مرتعش تنویر ہے
قصرِ اُمّیدِ نگہ تعمیر ہے
خامشی ڈُوبی ہُوئی گُفتار میں
اَن کھِلا غنچہ تبسّم زار میں
کج نگاہی پر حیا کو ناز ہے
تیغ ماہِ نَو نظر انداز ہے

دِل کی دعوت پُر تکلّف ہوگئی
خُوب تقریبِ تعارف ہوگئی
عاشقی سے بندھ گیا پیمانِ حُسن
ہوگئے دو قالب و یک جانِ حُسن
صحنِ پُر انوار تک دیکھا گیا
باغ کی دیوار تک دیکھا گیا
چُھپنے والے کی جھلک دیکھا کیے
حدِ نگہِ ناز تک دیکھا کیے
شوقِ دید، آنکھوں کو مَلتا رہ گیا
دَردِ دِل، پہلو بدلتا رہ گیا
آہ نکلی، ہوگیا اظہارِ عشق
اور کیجے گا سکھی اِنکارِ عشق"

منعقد راجاؤں کی اِک بزم ہے

جنگجو بیٹھے ہیں، قائم رزم ہے

سینے تنتے ہیں اکڑ فوں سے کیا

دیدے آتے ہیں نظر خونی سے کیا

اِک ذرا ذِکرِ شجاعت چھیڑیئے

بس ابھی چیں بر جبیں ہیں بھیڑیئے

آئے وشوامتر دلداروں کے ساتھ

چاندنا ضوبخش مہ پاروں کے ساتھ

ایک شاعر، دو خوش افکاروں کیساتھ

اِک مصوّر، اپنے شہکاروں کیساتھ

پیرِ ناطاقت جگرداروں کے ساتھ

چرخِ خوش رفتار سیّاروں کے ساتھ

آئے محفل میں بہانے کی طرح
بیٹھے مجلس میں نشانے کی طرح
روشنی کچھ آسمانی سی ہوئی
بزم کو آکاش بانی سی ہوئی
دیکھئے! لنکیشور بھی آگیا
لیجئے! شوریدہ سر بھی آگیا
جائے نفریں ظلم سے پُر ہو گئی
گُلرخوں کے حق میں کانٹے بو گئی
رکھ دیا خدمتگزاروں نے دھنک
اور پردے سے نکل آئے جنک
شاہزادی شاہ کے ہمراہ ہے
نظم پروینؔ ماہ کے ہمراہ ہے

بعدِ اظہارِ تشکّر، یُوں کہا
بے تکلّف، با تدبّر، یُوں کہا
تھی نظر برقِ تہوّر، یُوں کہا
از رہِ شانِ تفاخر، یُوں کہا
چھیڑ کر علمی تبحّر، یُوں کہا
یاد تھا اِک بیاہ کا گُر، یُوں کہا
اُو، شجاعت کے گرجتے بادلو!
اے شہامت کے برستے بادلو!
پہلوانو! بے کسوں کے یاورو!
نوجوانو! قوم کے زور آورو!
میرے مہمانو! عزیزو ہندیو!
بندھیا چلیو! بہادر سندھیو!

اے! کہ سو سکتے ہو، مر سکتے نہیں
موت کے خطرے سے ڈر سکتے نہیں
تم جہاں ہو، غیر آ سکتا نہیں
اور آ جائے تو جا سکتا نہیں
بھاگ سکتا ہے، پہ تھم سکتا نہیں
نقشِ پا کی طرح جم سکتا نہیں
جب ذرا اکتائے، میداں کو چلے
شیر اُٹھ اُٹھ کر نیستاں کو چلے
طیش کھایا، جنگجو دیکھا کہیں
ہاتھا پائی پر اُتر آئے وہیں
رن کے اندر آہنی دیوار ہو
کوہ وش، ثابت قدم، جرّار ہو"

"یہ، جو ہے ایجاد اَپنے دیش کی
یہ، جو لَٹ ہے ایک شِو کے کیش کی
یہ، جو ماہِ نَو کی ہم تصویر ہے
یہ، جو کژدُم اور خم تصویر ہے
یہ، جو ہے اِک مسکراہٹ نیم سی
ہو رہی ہے اِک کرن تقسیم سی
یہ، جو اَبرُو کی مثالِ صاف ہے
کہکشاں کی شکل کا مُوباف ہے
کج نگاہی ہے نگاہِ ناز کی
گردشِ پَرواز ہے شہباز کی
ایک بجلی ہے کہ ساکن ہو گئی
آہ کی تشبیہہ، ممکن ہو گئی"

"یہ جو رکھی ہے تمہارے سامنے
توڑ ڈالو جو ہمارے سامنے
مان جائیں گے کہ لاثانی ہو تم
ہمتوں کے ضیغمِ ثانی ہو تم
لے کے انگڑائی، بپھرنا شرط ہے
جابجا رُکنا، ٹھہرنا، شرط ہے
طاقت و جُرأت دکھانا شرط ہے
دوشِ ہمّت پر اُٹھانا شرط ہے
زورِ بازو آزمانا شرط ہے
صاحبو! چِلّہ چڑھانا شرط ہے
ہے خبر شرط آج اس کا بیاہ ہو
کامراں تم میں جو خاطر خواہ ہو"

بزم میں ہیجان پیدا ہو گیا
یک بیک میدان پیدا ہو گیا
کچھ بڑھے، کچھ بڑھ کے واپس آ گئے
بعض نے دیکھا اُسے، تھرّا گئے
ناتوانوں میں کماں بوسی ہوئی
جھک گئے سمجھے "آسماں بوسی ہوئی"
فتنہ ہائے قد اُٹھے اور رہ گئے
شرم کے آنسو تھے، از خود بہ گئے
غیر سے میدان خالی ہو گیا
امتحان بے مثالی ہو گیا
مدّعی، شو کی کماں دیکھا کئے
آہ بھر کر، آسماں دیکھا کئے

ایک ہنگامہ سکوت انگیز تھا
ایک سنّاٹا قیامت خیز تھا
شامتِ اعمال تھی آئی ہوئی
مُردنی چہروں پہ تھی چھائی ہوئی
بُت بنے تھے، گردنیں ہِلتی نہ تھیں
بھیڑیں نظریں کہیں مِلتی نہ تھیں
دِل کو حاصل تھی پشیمانی بہت
آئینے تھوڑے تھے، حیرانی بہت
سب ندامت کوشیوں میں محو تھے
لکشمن سرگوشیوں میں محو تھے
سرد تھے دِل زندگی کے عیش سے
شاہ اُٹھے اور بولے طیش سے

"نامُرادو! صد ہزار افسوس ہے
ہِمّتوں پر بار بار افسوس ہے
بے حیائی کی اشاعت ہو گئی
آج، توہینِ شجاعت ہو گئی
یہ جَوانی باعثِ تذلیل ہے
بجُھنے والی کاغذی قندیل ہے
شیر کے پوتوں کو ناکامی ہُوئی
انتہا کی آج بَدنامی ہُوئی
آہ! وُہ بازو پُرانے کیا ہُوئے
طاقتوں کے آشیانے کیا ہُوئے
دَھر کی قحط الرجالی دیکھئے
ہو گئے سب شہر خالی، دیکھئے"

"ذہنیت پائی غلامانہ ہے کیا
تم نے غیروں پر ستم ڈھانا ہے کیا
سب کے سب مستوجبِ تحقیر ہو
غفلتوں کے خواب کی تعبیر ہو
اِمتحاں سے جی چُرایا جا چُکا
مسندوں پر کیکپایا جا چُکا
زورِ بازو کی نمائش ہو چکی
بُزدِلوں کے دِل کی خواہش ہو چکی
اُٹھ گیا ضرغام آہو رہ گیا
آہ! ننگِ قومِ ہندو رہ گیا
کہہ رہا ہوں تم سے بدکردار سے
جاؤ" اُٹھ جاؤ، مرے دربار سے"

رام، لچھمن کو بڑھاتے ہی رہے
حشر کا دامن دباتے ہی رہے
اُٹھنے والے تھے جنک کی بزم سے
شیر گونجا نیستانِ رزم سے
پُر غضب آواز آئی کان میں
دفعتاً گونجی ترائی کان میں
چشمِ خونی صید سے پیوست کی
اور درندے نے اچانک جست کی
دشت میں ضرغام پیدا ہو گیا
خطرۂ جانِ عام پیدا ہو گیا
یک بیک ہیبت جو چھائی شیر کی
غلُل ہوا ناگہ! دہائی شیر کی

شاہ سے بولا، "تلافی کیجئے
بُزدلی کے لفظ واپس لیجئے"
شیر کو صُورت سے پہچانا نہیں؟
آپ نے صحرا ابھی چھانا نہیں
جُستجو کی بھی دلیروں کی کبھی؟
شکل دیکھی بھی ہے شیروں کی کبھی؟
یہ فقط اپنی سمجھ کے پھیر ہیں

ورنہ یاں ہر ہر قدم پر شیر ہیں
شیر کی ہے گر ضرورت، دیکھ لیں
آنکھ اُٹھا کر میری صُورت، دیکھ لیں
شیر آیا اِتفاقاً، دیکھ لیں
میرا سینہ، میری چِتون دیکھ لیں"

"یہ، جو اِک بویا ہے کانٹا آپ نے
جس پہ ہم سب کو ہے ڈانٹا آپ نے
یہ، جو خم کھائی ہوئی دیوار ہے
یہ، جو بوسیدہ ہے اور بیکار ہے
یہ، جو اِک سوکھی ہوئی سی چوب ہے،
خاک پر عقرب سا پائے کوب ہے،
یہ، جو اِک تنکا سا یاں موجود ہے
آج جو سدِّ رہِ مقصود ہے
آنکھ کا شہتیر سمجھے ہیں جسے
آپ ٹیڑھی کھیر سمجھے ہیں جسے
تیر آنکھوں کا اشارہ جوڑ دے
توڑنے کی فکر اس کو توڑ دے

"شیر اِس محفل میں دو موجود ہیں
گر ہمارے امتحاں مقصود ہیں
لاکے رکھ دو کہکشاں کو خاک پر
یا چلو، آؤ! چلیں افلاک پر
پیش کیجے آہنی دیوار کو
یا اُٹھا لاؤ کِسی کہسار کو
بازوؤں کی آزمائش کیجئے
کال سے دونو کو لڑوا لیجئے
یا ہمیں فرمائیں، ہم دِکھلائیں کچھ
ہمتِ عالی سے جی بہلائیں کچھ
آسمانِ پیر کو چکرا نہ دیں
ماضی، مُستقبل سے کیوں ٹکرا نہ دیں"

"سرکشوں کو پاؤں میں روندا کیا
بارہا ہم نے فلک اوندھا کیا
کام میں لائیں جو نگہِ قہر کو
ہم ابھی رکھ دیں اُلٹ کر دہر کو
ہاتھیوں کو پھینک دیں آکاش پر
دیو ہوں مائل شکستِ فاش پر
ڈال دیں دریائے جمنا، گنگ میں
زلزلے آئیں ہماری جنگ میں
جم کے ہٹ جائے قدم، دشوار ہے
پھر ستونِ سنگ ہے دیوار ہے
شیر تھرّائیں جو ہم نعرہ کریں
حمل چھن جائیں جو ہم نعرہ کریں"

چشمِ لچھمن خوں فشاں ہوتی گئی
تیغ ابرو کی رواں ہوتی گئی
پُرغضب شیرِ ژیاں ہوتا گیا
دم بدم ہیبت فشاں ہوتا گیا
شاہ کچھ مجذوب سے ہوتے گئے
حاضریں مرعوب سے ہوتے گئے
کانپ اُٹھی دِل کے اندر جانکی
خشمنا کی دیکھ کر مہمان کی
اہلِ محفل نے یہ دیکھا غور سے
کچھ دھنش سمٹا ہے اپنے طور سے
شیر غرّاتا ہُوا آگے بڑھا
وِشوا تھرّاتا ہُوا آگے بڑھا

رو کنا تھا، ایک ہل چل مچ گئی
موت کے پنجے سے محفل بچ گئی
بولا وِشوا مِتر، جانے دیجئے
رام کو یہ پیش تحفہ کیجئے
وُہ بڑے بھائی ہیں، اُنکا حق ہے یہ
اُن کا آنا ہے کہ از خود شق ہے یہ
اب رگھوبر کا نکلنا دیکھئے
خامُشی دیکھی، مچلنا دیکھئے
دھجّیاں اُڑتی دھنک کی دیکھئے
جشن آرائی جنک کی دیکھئے
عجز سے، ہاتھوں کو جوڑا شیر نے
توڑنے کا خیال چھوڑا شیر نے

دُور کچھ ہٹ کر کھڑا تھا لکشمن
یہ کماں کے پاس تھے جلوہ فگن
جانکی تھی عین اُن کے سامنے
پایا نسوانی اشارہ رام نے
اژدھے پر شیر نے حملہ کیا
لے کے پنجے میں جو اِک جھٹکا دیا
ٹکڑے کر کے پھینک دی انبوہ پر
بَرق جَیسے کُوندے جائے کوہ پر
واں نہ پھر پھُولی سمائی جانکی
ہار پہنانے کو آئی جانکی
بَزم میں سکھیوں کا جھُرمٹ ہوگیا
بدلیوں میں چاند پرگٹ ہوگیا

پرسرام آیا خبر جس دم ہوئی
صَید گہ میں آمدِ ضیغم ہوئی
جانِ محفل کی رہینِ غم ہوئی
از پئے تعظیم گردن خم ہوئی
دَم چڑھے اور قلب مضطر ہو گئے
لرزہ بر اندام یکسر ہو گئے
تن سے لپٹائے ہرن کی کھال ہے
تند خو کا داخلہ بھونچال ہے
اِس زمیں پر دُوسرا یہ کال ہے
مَوت کے خطرے سے فارغ بال ہے
خُون آلُودہ تبر ہے دوش پہ
غیظ کی کیفیّتیں ہیں جوش پہ

پُوچھا جب دیکھا وہ خشت ٹوٹا ہُوا
"کِس کا بختِ بد ہے یہ پھوٹا ہُوا؟
گھُور کر کہتا ہے۔ "توڑا کِس نے ہے؟
"موت سے رِشتے کو جوڑا کِس نے ہے؟

کون ہے شوریدہ سر وُہ کون ہے؟
اِس زمیں پر بے خبر وُہ کون ہے؟
کون ہے؟ جِس سے ستمنا کی ہوئی
کون ہے؟ جِس سے یہ بیباکی ہوئی
کون مجھ ایسے سے ہے نا آشنا؟
کون ہے؟ جو یہ نہیں ہے جانتا
زیرِ گردوں موت کی تصویر ہُوں
چل نکلتا ہُوں قضا کا تیر ہُوں"

"زندگی مجھ سے رہینِ یاس ہے"
رام بولے، "آپکا اِک داس ہے
بخش دیجے گا خطا اُس سے ہوئی
آہ یہ نازل بلا اُس سے ہوئی
اس نے کی مشکل روا اُس سے ہوئی
اس ستم کی انتہا اُس سے ہوئی"
لکشمن بولا "جفا مجھ سے ہوئی
شور و شر کی ابتدا مجھ سے ہوئی
غلغلہ زن یہ سبھا مجھ سے ہوئی
رعب کیا دیتا ہے جا! مجھ سے ہوئی
جسنے توڑی ہے کماں وہ مَیں ہُوں ہیں
برملا کہتا ہُوں ہاں وہ مَیں ہُوں ہَیں"

اِتنا کہہ کر شو کی پھر جوڑی کماں
اور اُس کے سامنے توڑی کماں
ظالم اِس حرکت پہ جھنجھلایا بہت
لکشمن کو اُس نے دھمکایا بہت
"چھوکرے! یم راج سے نادان ہے
میری اِس مُٹھی میں تیری جان ہے
سینکڑوں جلسوں کو تلپٹ کر دیا
مَیں نے گلزاروں کو مرگھٹ کر دیا
رعب انسانی کی نوعیت ہے کیا
میرے آگے تیری حیثیت ہے کیا
دیو سے کُشتی میں دنگل چھین لوں
شیر کے پنجے سے جنگل چھین لوں"

"دشتِ وحشت میں جو آنکھیں گاڑ دُوں
دامنِ صحرائے ہستی پھاڑ دُوں"
بولا لچھمن "خود ستائی خوب کی
شورِیدوں کی بُرائی خوب کی
خوب کی لفظی حکومت آپ نے
خوب جتلائی خصومت آپ نے
برہمن ہیں آپ، یہ افسوس ہے
ہے لڑائی پاپ، یہ افسوس ہے
آپ کی ورنہ زباں چلتی نہ یُوں
شاخسارِ گُفتگو پھلتی نہ یُوں
وُہ تبر اِس ہاتھ میں تم دیکھتے
رُوح، گرہِ جسم سے گُم دیکھتے"

تُند خُو آپے سے باہر ہو گیا
پرسرام اِک بار خودسر ہو گیا
لکشمن پر حملہ زن ہونے کو تھا
منہدم چرخِ کہن ہونے کو تھا
چشمِ پُر غیظ آگ برسانے کو تھی
ایک بجلی سی چمک جانے کو تھی
چینِ پیشانی، نظر کے سامنے
تیر چُٹکی میں، تبر کے سامنے
چھڑنے والی تھی ستمگاروں میں جنگ
برسرِ دربار جرّاروں میں جنگ
مُدّعی دونو کے قائل ہو گئے
درمیاں میں رام حائل ہو گئے

ان کو سمجھایا کہ یہ نادان ہے
آپ کی ارفع و اعلیٰ شان ہے
آپ کی توقیر ہے مانی ہوئی
مَیں نے توڑی، مجھ سے نادانی ہوئی
"تیر کو میرے دھنش پر جوڑ کر"
بولا "گر دکھلا دے اس کو توڑ کر
مان جاؤں گا کہ طاقت تجھ میں ہے
شِو کا کچھ زورِ رفاقت تجھ میں ہے"
پیش کی اپنی کماں خودکام نے
دفعتاً چلّہ چڑھایا رام نے
تب ہُوا معلوم یہ اوتار ہیں
رام، شِو جی کے علمبردار ہیں

پہنچا دسرتھ کو یہ پیغامِ جنگ
توڑ ڈالا ہے رگھوبر نے دھنک

دخترو نورِ نظر کا بیاہ ہے
خادموں کو انتظارِ شاہ ہے

آئیں فوجوں کے سپاہی ٹھاٹھ سے
داخلہ ہو سب کا شاہی ٹھاٹھ سے

دیدہ ہائے شوق فرشِ راہ ہیں
عالیجاہا! آپ عالیجاہ ہیں

آئیے سرکارِ ذی شاں آئیے!
میرے عزّت بخش مہماں آئیے

منتظر ہے آپ کا خادم جنک
خاکِ پائے شاہ "الراقم جنک"

سازو سامانِ شہی سے شہ چلے
دولت و جاہ و حشم ہمرہ چلے
خیر و برکت دمِ قدم کے ساتھ تھی
برکھا رُت ابرِ کرم کے ساتھ تھی
بہرِ استقبال لشکر آئے ہیں
لکشمن آیا ہے، رگھبر آئے ہیں
آنے والے ہیں شہِ گردوں پناہ
ہے مہاراجہ جنک، دیدہ براہ
جھنڈے لہراتے ہوئے آئے نظر
شاہی رتھ آتے ہوئے آئے نظر
خیر مقدم کو بڑھے ناگاہ سب
آ گئے، تکتے تھے جن کی راہ سب

جانکی، رگھبیر سے بیاہی گئی
خوبیٔ تقدیر سے بیاہی گئی
ہار سکھیوں کے لئے چھانٹے گئے
اور بہو کے ہاتھ سے بانٹے گئے
زر کی بارش میں ندی نالے بہے
خانۂ مفلس کے پرنالے بہے
ارملا، بیاہی گئی لچھمن کے ساتھ
کیرتی، شہزادہ شترگھن کے ساتھ
مانڈوی کی بھرت سے شادی ہوئی
بھائیوں کی خانہ آبادی ہوئی
اِک بہار اجودھیا میں آئی ہے
گلکدہ نے شانِ جنّت پائی ہے

آرزو ہے اب شہِ خوش کام کی
رام دِکھلائے حکومت رام کی
اب مناسب ہے کہ گوشہ گیر ہوں
زندگی کا کیا بھروسہ پیر ہوں
مِٹنے والی لوح سے تحریر ہے
چھوٹنے والا قضا کا تیر ہے
سونپ دوں رگھبیر سے خوش بخت کو
سلطنت کو، تاج کو، اور تخت کو
زیبِ سر دیہیمِ شاہی دیکھ لوں
مَیں بھی شانِ کجکلاہی دیکھ لوں
تخت پر جلوہ نمائی دیکھ لوں
رام کی فرمانروائی دیکھ لوں

تاج پوشی مُشتہر کر دی گئی
عام جلسوں میں خبر کر دی گئی
جا بجا پیغام بر بھیجے گئے
ایلچی باکرّ و فر بھیجے گئے
دیپ مالا شہر میں ہونے لگی
کیکئی تخمِ حسد بونے لگی
ناز رُوٹھا ہے، ادا ناراض ہے
حُسنِ دلبر عشق کا نبّاض ہے
زُلف چہرے پر ہے بِکھرا دی گئی
چولی سینے سے ہے مسکا دی گئی
ہار ٹھکرایا گیا ہے پاؤں سے
فرش تھرّایا گیا ہے پاؤں سے

اِنتشارِ زُلفِ پُرخم دیکھ کر
انتظامِ حُسن برہم دیکھ کر
آہوانہ آنکھ کا رَم دیکھ کر
کم نگاہی کا یہ عالم دیکھ کر
ایک اندوہِ مجسّم دیکھ کر
غم کی تشبیہہ مُسلّم دیکھ کر
پاس جا کر شکلِ ماتم دیکھ کر
آنسوؤں سے گال پر نم دیکھ کر
پھول پر قطراتِ شبنم دیکھ کر
وقتِ شادی گریۂ غم دیکھ کر
زخم کو محرومِ مرہم دیکھ کر
یاس کی دیوی کو پیہم دیکھ کر

شاہ نے پُوچھا "مزاج اچھا تو ہے؟
خیر گذُری ؛ حال آج اچھا تو ہے؟
سر جھکایا ہے، کمر لچکائی ہے
حلقۂ زُلف رسا میں آئی ہے
آج بن گہنے ہمارا چاند ہے
غم کی بدلی میں پیارا چاند ہے
چھیڑا غمزوں نے کہیں انگڑائی میں
توڑ ڈالے ہار، ہاتھا پائی میں
آئینے نے کچھ کہا مُنّہ پر تمہیں
یاد ہو گا واقعہ ازبر تمہیں
بے نیازی آرہی ہے شان میں
گوشواروں نے کہا کچھ کان میں"

کافرانہ پھیر کر چتون کہا
کیکئی نے ہو کے طعنہ زن کہا

"مجھ پہ گرجے اور برسے اور پر
لکّۂ ابرِ کرم کے طور پر

آج اپنے قول واپس لیجئے
یا مری خواہش کو پورا کیجئے"

شاہ بولے "آج ہے کس دھیان میں
کیا کہا رگھ بنسیوں کی شان میں

آئینے! تعلیمِ حیرانی نہ دے
خشک ساحل! درسِ طغیانی نہ دے

میری بخشش سے جہاں سیراب ہے
پنجۂ دستِ کرم پنجاب ہے"

"مینہہ سے لبریز نقشِ سم کہاں
اور تموّج خیز اِک قلزم کہاں
ذرّہ، چشمک زن مَہِ تاباں پہ ہے
قطرہ، مضحک بحرِ بے پایاں پہ ہے
خالی دامن بھی اگر ہم جھاڑ دیں
تودہ ہائے سیم و زر ہیں گاڑ دیں
ہمسری کی تاب و طاقت کس میں ہے
یہ وُہ گھر ہے رام اُترا جس میں ہے
دامنِ امّید پھیلا! اور دیکھ!
دینے والے کی دیا کے طَور دیکھ!"
ہنس کے بولی "آشنائے حال ہو
تخت کا حقدار میرا لال ہو"

"ماہ کہساروں پہ جلوہ گر رہے
بَن میں چودہ سال تک رگھبر رہے
لامکاں ہے، لامکانی میں رہے
قلزمِ حق بیکرانی میں رہے
حُکم صادر کیجئے بَن باس کا
آج مُژدہ دیجئے بَن باس کا"
منتھرا اِتنے میں لے آئی اُنہیں
غش کی حالت میں بلا لائی اُنہیں
برسرِ بالیں مسیحا آگیا
شاہزادہ دیکھ کر گھبرا گیا
فرشِ خاکی پر پتا بیہوش ہے
منتھرا چُپ، کیکئی خاموش ہے

اِنعقادِ جشن نَذرِ غم ہُوا
قصرِ شاہی میں بَپا ماتم ہُوا
رنج پھیلا عیش کے ہنگام میں
مامتا جکڑی گئی آلام میں
کیکئی کا مکر ظاہر ہو گیا
لکشمن آپے سے باہر ہو گیا
دَرد سے سُامترّا پامال ہے
بال بکھرے ہیں، پریشاں حال ہے
آرزُوئیں آنسُوؤں میں بہ گئیں
تھام کر سکھیاں کلیجے رہ گئیں
یاس وحسرت میں وہ دوشک گھر گئے
دِل کی اُمّیدوں پہ پانی پھر گئے

رو رہی ہے غم سے پیاری جانکی
کر رہی ہے منتیں بھگوان کی
کہہ رہی ہے ساتھ لیتے جایئے
مہربانی حال پر فرمایئے
قلب سے خواہش جُدا رہتی نہیں
جام سے گردش جُدا رہتی نہیں
سرو کے ہمراہ قامت جائے گی
فتنہ جائیگا قیامت جائے گی"
لکشمن کہتا ہے۔"جایا جائے گا
نُور کے ہمراہ سایا جائے گا"
شور ہیں بن باس کی تمہید کے
ذرّے دامنگیر ہیں خورشید کے

خدمتِ مادر میں تینوں آئے ہیں
ہاتھ جوڑے، گردنیں ہنیوڑائے ہیں
بُت نصب ہیں بُتکدہ میں مرمریں
دیکھتے ہیں، مُنہہ سے کچھ کہتے نہیں
خوب صُورت پیکرانِ التجا
خامُشی ہے داستانِ التجا
ملتمس آنکھیں، اجازت دیجئے
اُٹھیئے، بن باسی کو رُخصت کیجئے
غم کی مینا ہچکیاں لینے لگی
قلب کی سوزش دھواں دینے لگی
بہ گئے اشکوں کے چھالے ٹوٹ کر
رو دیا کوشلیا نے پھوٹ کر

الفراق! اَے موسمِ گُل، الفراق
الفراق! اَے جانِ بلبل، الفراق
الوداع! اَے صبر و تمکیں، الوداع
الوداع! آرامِ شیریں، الوداع
رُخصت! اَے تسکین و اطمینانِ قلب
چارہ سازِ سوزشِ ہجرانِ قلب
حسرت و یاس و الم! خوش آمدید
کلفت و اندوہ و غم! خوش آمدید
بَن کے وسعت زار میں گُم ہو گئے
اَبر میں ناپید انجم ہو گئے
آہِ سوزاں چرخ سے ٹکرا گئی
ماہتابی چھوٹتے ہی چھا گئی

شاہ، صورت کو ترپتا رہ گیا
دید کا طالب پھڑکتا رہ گیا
پردے پردے میں جھلک دینے لگے
دیدہ ہائے دِل چمک دینے لگے
سترِ حق جُوں جُوں عیاں ہوتا گیا
جو مکیں تھا لامکاں ہوتا گیا
زندگی سے سخت بیزاری رہی
دِل کو لاحق غم کی بیماری رہی
رو دیا مجبُور جتنا رو سکا
دَردِ فُرقت سے نہ جانبر ہو سکا
ختم ہوتی ہے کتابِ زندگی
مَوت ہے تعبیرِ خوابِ زندگی

کشتِ غم میں اشک بوئے جا چکے
زندگی سے ہاتھ دھوئے جا چکے
بھرت بلوایا گیا پنجاب سے
خون رویا دیدۂ پُر آب سے
شاہ مرگھٹ میں سپردِ نار ہے
جسمِ مُردہ راکھ کا انبار ہے
آنسوؤں سے پُر ہے چشمِ انفعال
ہو رہی ہے کیکئی غم سے بدحال
ہاتھ ملتی ہے "خطا مجھ سے ہوئی
بیٹھے بیٹھے کیا جفا مجھ سے ہوئی"
بھرت کہتا ہے "منا کر لاؤں گا
بن کے اندر پابرہنہ جاؤں گا"

تُخت کیا، سلطنت کس کام کی
حق نہ دکھلائے جُدائی رام کی
روکنا چاہا گرو واشِشٹ نے
نیک سیرت، نیک رُو واشِشٹ نے
سب مشیروں نے یہی تقریر کی
شعبدہ بازی ہے سب تقدیر کی
کون ہیں جو موت سے پنجہ کریں
آپ مسند پر قدم رنجہ کریں
زیبِ سر تاجِ حکومت کیجئے
ہو چکا اِنکار، جانے دیجئے"
اِس ہٹیلے کی مگر ہٹ ہے وُہی
نعرۂ دِلدوز کی رَٹ ہے وُہی

چاندؔ دستِ کہکشاں سے چھوٹ جائے
آبگینہ ٹھیس کھا کر ٹوٹ جائے
رات سے تاروں کا زیور چھین لیں
عقدۂ پروین کا جھومر چھین لیں
چادرِ مہتاب سر سے چھین لیں
روشنیٔ نجمِ سحر سے چھین لیں
نورِ بینائی نظر سے چھین لیں
آبداری سب گہر سے چھین لیں
خاک آڑے گنگا میں کچھ مشکل نہیں
دام سے پھر جائے ایسا دِل نہیں
یاں ہوس کاروں کی بازی مات ہے
تاج پہنوں، غیر ممکن بات ہے

جا رہے ہیں رام، لچھمن، جانکی
سامنے ہیں منزلیں عرفان کی
گنگا، لہراتی ہوئی آئی نظر
لاکھ بَل کھاتی ہوئی آئی نظر
لے رہی ہے کروٹیں نرمل سی کیا
کوہ کے دامن پہ ہے بیکل سی کیا
شاخِ نظّارہ میں ہے کونپل سی کیا
گردنِ فطرت میں ہے ہیکل سی کیا
بہ رہی ہے کیا سنہری دھوپ میں
خوشنما قوسِ قزح کے روپ میں
پاک رشیوں کا خطِ تقدیر ہے
دشت کے حلقوم پر شمشیر ہے

پاٹ تھا فرسنگ کے پھیلاؤ میں
چل پڑے اسوار ہو کر ناؤ میں
بچھ رہی ہے چادرِ آبی سی کیا
تیرتی ہے اُسپہ مرغابی سی کیا
لہر کی آغوش ہے پُر ضو سی کیا
سطح پر ہے عکسِ ماہِ نو سی کیا
موجِ نکہت گھومتی پھرتی ہے کیا
رُوئے دریا چومتی پھرتی ہے کیا
چشم و شنو تھی نظارے کی طرف
راج ہنس آیا کنارے کی طرف
ناؤ سے اُترے انگوٹھی پیش کی
جانکی ایسی تجلّی کیش کی

۷۲

ناخدا نے اُس کو لوٹا کر کہا
دامنِ اُمید پھیلا کر کہا
عاجزی کے ساتھ رستہ روک کے
"جانِ عالم! ناتھ ہو تر لوک کے
یہ انگوٹھی ہے مرے کس کام کی؟
فکر ہے ازبس مجھے انجام کی
تم گنہگاروں کے کھیون ہار ہو
واں اسی صورت سے بیڑا پار ہو
ناخدائی گر گوارا ہے تمہیں
پار اُتاریں، پار اُتارا ہے تمہیں"
آگیا دریائے رحمت جوش میں
ناخدا کو لے لیا آغوش میں

جال کرنوں کا بچھا دریا پہ ہے
روشنی، جاروب کش صحرا پہ ہے
سُورج اُبھرا غار روشن ہو گئے
گوشہ ہائے تار روشن ہو گئے
منزلِ عرفاں کے منظر خوب ہیں
جابجا بیٹھے ہُوئے مجذوب ہیں
دیکھنے میں آئے دیوانے کئی
بالمیکی ایسے فرزانے کئی
رُوپ دِکھلا کر اُجالا کر دیا
کعبۂ دِل کو شوالا کر دیا
پُوچھتے پھرتے ہیں جُو جائیں ہم کہاں
جھونپڑی اپنی بنائیں ہم کہاں"

وُہ یہ کہتے ہیں "کہاں پر تُو نہیں
کونسی جا ہے جہاں پر تُو نہیں
ذات تیری ہر جگہ موجُود ہے
تُو ہمارا خالِق و محمُود ہے
تُو ہمارا مالک و معبُود ہے
تُو ہمارا شاہدِ مقصُود ہے
ہیں زمین و آسماں تیرے لئے
لامکانی ہے مکاں تیرے لئے
ہے دلِ بے مُدّعا میں گھر ترا
سامنا ہوتا ہے واں اکثر ترا
بیکسوں کی دستگیری میں ہے تُو
ہم فقیروں کی فقیری میں ہے تُو"

"چترکوٹ اِک وادیٔ دلچسپ ھے
آنکھ راکب ہے، نظارہ اَسپ ھے
دیدنی ہے چشم خواہش کے لئے
خُوب ہے تیری رہائش کے لئے
فرحت افزا ایک سبزہ زار ہے
تازہ پھُولوں سے لدا کہسار ہے
چادرِ گُل دُھل رہی ہے اوس سے
خُلد آتا ہے نظر سو کوس سے
چشمے عرفاں کے اُبلتے ہیں وہاں
قلب پر اسرار کھلتے ہیں وہاں
آنکھ کہتی ہے کہ خوش ہو جایئے
ٹھنڈی ٹھنڈی گھاس پر سو جایئے"

جا کے دیکھا اِس بہارستان کو
ندّیوں میں منقسم میدان کو
طائرانِ خوش نوا کے چہچہے
وہ دمِ خندہ گُلوں کے قہقہے
وہ لبِ دریا ہرن کی چوکڑی
دِل کُشا منظر سُہانی ہے گھڑی
آبِ حیواں سے فضا سیراب ہے
کشت زارِ زندگی شاداب ہے
رَونقیں یہ دیکھ کر کہسار کی
لکشمن نے جھونپڑی تیّار کی
رام کُٹیا میں بسر کرنے لگا
جلوۂ ارزاں خبر کرنے لگا

منظرِ عرفاں پہ آیا آفتاب
جھلملایا، چلچلایا آفتاب
وادیٔ ایمن کا منظر بچھ گیا
اِک مُصفّے بَن کے اَندر بچھ گیا
چرخ پر پھیلی شعاعِ نور ہے
دیدۂ اہلِ نظر مسحور ہے
خاکِ صحرا جگمگا اٹھی ہے کیا
موجِ نوریں جابجا اُٹھی ہے کیا
آئے بن باسی زیارت کے لئے
اِک بصیرت تھی بصارت کے لئے
گرمیٔ صحبت سے گرماتے رہے
سینکڑوں آتے رہے جاتے رہے

بھرت بَن کو راجدھانی سے چلا
دشت پر دریا روانی سے چلا
شور و شیون پے بہ پے کرتا ہُوا
وسعتِ صحرا کو طے کرتا ہُوا
سینکڑوں میلوں پہ لہراتا ہُوا
پربتوں سے سر کو ٹکراتا ہُوا
گھاٹیوں کے سر پہ منڈلاتا ہُوا
متصل ٹیلوں پہ بل کھاتا ہُوا
جنگلوں میں جابجا رُکتا ہُوا
نقشِ پائے رام پر جُھکتا ہُوا
سبزہ زاروں میں قدم دھرتا ہُوا
بارشِ رحمت کا دَم بھرتا ہُوا

فوج شاہی میں گرُو بھی ساتھ ہے
مادرِ شرمندہ رُو بھی ساتھ ہے
تاج پوشی کا تقاضا ساتھ ہے
جشنِ شاہی کا ارادہ ساتھ ہے
ان کو لانا ہے ، ہٹیلے پن کے ساتھ
آج دو دو ہاتھ ہیں لچھمن کے ساتھ
شیر آیا قلّۂ کہسار پر
چھا گیا جنگل کے ہیبت زار پر
بھرت آتا ہے ، یہ دیکھا دُور سے
لکشمن نے دیدۂ مغرور سے
فوج دیکھی اور بھی بدظن ہُوا
دشت گوُنجا شیر نعرہ زن ہُوا

آئی کُٹیا سے نِکل کر جانکی
سُن کے یوں نعرہ زنی دربان کی
چڑھ کے گھاٹی پر یہ دیکھا رام نے
خشمگیں لچھمن کھڑا ہے سامنے
شیرِ غرّاں سے پکارے "کون ہیں؟
دشت میں دشمن ہمارے کون ہیں؟
کِس کو دیکھا ہے تلاشِ صید میں
کون آیا ہے ستم کی قید میں
تیرے تن میں غیظ کی موج آئی ہے"
لکشمن نے عرض کی "فوج آئی ہے
بھرت آیا ہے لڑائی کے لئے
جنگجو، جنگ آزمائی کے لئے"

خندہ رُوئی سے کہا "رکھ دو کماں
پھینک دو ترکش چلے آؤ یہاں
کیوں عتابانہ کھڑے ہو کوہ پر
ڈھا رہے ہو کیا غضب انبوہ پر
راہ میں آنکھیں بچھاتے کیوں نہیں
بہرِ استقبال جاتے کیوں نہیں
پیشتر اِس کے وُہ گھاٹی پر چڑھیں
آؤ! تینوں پیشوائی کو بڑھیں"
بولا لچھمن "کیکئی بھی سات ہے"
رام بولے "وُہ ہماری ماتؔ ہے
رانیاں سب واجب التعظیم ہیں
اُن کے آگے خم سرِ تسلیم ہیں"

لکشمن نے رام کی تقریر پر
پھول پھینکے رکھ کے نوکِ تیر پر
آنے والا قافلہ پُر جوش تھا
شاہدِ مقصود ہم آغوش تھا
بھرت کے اَخلاق کی تعریف کی
بولے "ناحق آپ نے تکلیف کی"
عرض کی "فُرقت گوارا ہے کسے
تجھ سے تن من دھن پیارا ہے کسے
خیریت پُوچھی شہِ ذی جاہ کی
بھرت نے بیساختہ اِک آہ کی
مرگ کی سُنکر خبر حیراں ہُوئے
صرفِ گریہ دیدۂ عرفاں ہُوئے

ملتجی ہیں" دشت پیمائی نہ ہو
جابجا یوں جلوہ فرمائی نہ ہو
نورِ مطلق! دیکھ! ہرجائی نہ ہو
احتیاط! اے حُسن! رُسوائی نہ ہو

رانیوں کے درمیاں روتی ہوئی
دل ہی دل میں منفعل ہوتی ہوئی
کیکئی پھیلائے دستِ تلج ہے
"رام! تیرے ہاتھ میری لاج ہے"

سب گئے ہیں ایک گہری سوچ میں
طبعِ لچھمن آرہی ہے لوچ میں
رام سے پہلے یہاں انکار ہے
کہہ چکا ہے وہ "فضول اصرار ہے"

"تخت کے چھُٹنے کا مُطلق غم نہیں
قول سے پھر جائیں، ایسے ہم نہیں
ہم رگھوبنسی ہیں نا فرماں نہیں
زندگی بھر اِس 'نہیں' کی 'ہاں' نہیں
اب یُونہی گذریگی چودہ سال تک
اب نہیں ملنے کے ہم پاتال تک
تیر چھُوٹا واپس آسکتا نہیں
کم سے کم بندہ تو جا سکتا نہیں
ان کی مرضی ہے یہ بخشنہار ہیں
اِن کو لے جائیں اگر تیار ہیں
رام کی دُوری کا غم بیشبود ہے
ہر جگہ میرے لئے موجُود ہے"

چشمِ ایقاں مسکرائی "سچ کہا"
بھرت بولا "تو نے بھائی سچ کہا
دیدۂ دل چاہیے اِن کے لئے
دَر کھلے ہیں پاک باطن کے لئے"
رام بولے بھرت! اے شیدائے رام
نیک صورت، نیک سیرت، نیکنام
اے کہ راضی تجھ سے ہے پرماتما
کیوں کریں ناخوش پتا کی آتما
حکم ماتا کا بجا لایا نہ جائے
بن میں چودہ سال تک جایا نہ جائے
ذوق ایسے نوجواں بیٹے پہ ہے
حیف ایسے بخت کے ہیٹے پہ ہے"

"جان کر کیجے نہ اب اصرار آپ
عرض کی "مختار ہیں سرکار آپ
اِس طرح لیکن سوالی جائیں کیوں
تیرے در سے ہاتھ خالی جائیں کیوں
اے کہ تم دُکھیا دلوں کے چین ہو
دستِ سائل کو عطا نعلین ہو
تاج دیجے تاجداری کے لئے
سرفرازی، خاکساری کے لئے
ظلِّ بخشش، پُر خطاؤں کے لئے
چترِ رحمت، سر پہ چھاؤں کے لئے"
کفشِ پا اِن کو عطا کردی گئی
قسطِ اوّل، یوں ادا کردی گئی

بھرت لوٹا واں سے رگھبر بھی چلے
گویا کیلاش سے شوجی چلے
راستے میں سبزہ زار اک مل گیا
غنچۂ قلبِ مسافر کھِل گیا
چہرۂ فطرت پہ غازہ پھول تھے
نو بنو تازہ بتازہ پھول تھے
گلشنِ جنت کی رونق بھا گئی
دوشِ گل دیکھا جمائی آ گئی
"خوب ہے آرام و راحت کیلئے
خوب ہے سیر و سیاحت کیلئے
پُر بہار اک خطۂ گلزار ہے"
رام بولے۔ "اب سفر بیکار ہے"

پنچ وٹی پر یہ خیمہ زن ہوئے
شش جہت یکبارگی روشن ہوئے
جلوۂ رُخ سے رشی پرسن ہوئے
دُھل گئے ہردے، پوتّر مَن ہوئے
پھر منوّر کوہ کے دامن ہوئے
پھر شری بھگوان کے درشن ہوئے
شکلِ انسانی میں جلوہ گر ہُوا
عابدوں میں شہرۂ رگھبر ہُوا
چشم ہائے کور بینندہ ہوئیں
سینکڑوں آہلیا زندہ ہوئیں
واقعی رشیوں کا کہنا ٹھیک ہے
پنچ وٹی سے خدا نزدیک ہے

جنگلوں میں داستان رام تھی
شہرتِ خلق عظیمہ عام تھی
جانکی کا حُسن خوبی کیا کہیں
ہم اُنہیں ماتا سے کم بھی کیا کہیں
مُعترف لچھمن کی رعنائی کے ہیں
سارے نقشے ہُوبہو بھائی کے ہیں
رُدکشِ صد لالۂ صحرائی ہے
حُسن کی بدلی برستی پائی ہے
دِل میں ارماں اور ارمانوں میں دل
آرہے ہیں سب کے نذرانوں میں دل
جس کسی سے چار آنکھیں ہو گئیں
بس جگر کے پار آنکھیں ہو گئیں

عشق رگھبر سے ہیں مالا مال سب
یکش، کنز، پریت اور دیے تال سب
جس نے دیکھا ہاتھ سینے پر رکھا
سُن کے شُہرت آ گئی شورپ نکھا
رام سے خواہش ہے اسکو بیاہ کی
بدخصالی دیکھئے بدخواہ کی
آگ برسی دیدۂ رگھبیر سے
مُسکرائی جانکی تحقیر سے
اوّل اوّل اسکو سمجھایا بہت
بوالہوس نے جب ستم ڈھایا بہت
تیر لچھمن نے چلایا تاک کے
اُڑ گئے صدہا پرخچے ناک کے

جا کے روئی خدمتِ لنکیش میں
"مُجھ پہ ٹوٹیں یہ ستم اِس دیش میں
اُس کی سب کے سامنے تحقیر ہو
آہ! تجھ ایسے کی جو ہمشیر ہو"
دَشت کو راون عتابانہ چلا
جَذبۂ وحشت سے دیوانہ چلا
جا کے جنگل میں مِلا مارِیچ سے
مِل کے سمجھوتہ کیا اُس نیچ سے
وحشیوں میں ایک تھا بدذات وُہ
ہو لیا لنکیشور کے سات وُہ
بھر لیا بہروپ اِنہوں نے راہ میں
چُھپ کے پہنچے ان کی خلوتگاہ میں

لکشمن تھا جانکی تھی رام تھے
سامنے نظّارہ ہائے شام تھے
دِن کے قابو سے شفق باہر ہُوا
ناگہاں بن میں ہرن ظاہر ہُوا
کھا گئی دھوکا سیا مارِیچ کا
چل گیا جادو نظر پر نیچ کا
بولی رگھبر سے پکڑ لاؤ اِسے
آنکھیں دِکھلا کر جکڑ لاؤ اِسے
موہنی مُورت ہے جی بہلاؤنگی
میں اِسے اجودھیا لے جاؤنگی"
رکھ دیا لاکر دھنک کو دوش پر
طبع تیر انداز آئی جوش پر

بولے رگھبر "راکشش ہیں گھات میں

جھونپڑی ہے منزلِ آفات میں

لکشمن اے شیرِ آہن، ہوشیار

ہوشیار! اے میرے کاہن ہوشیار

کُٹیا، ماحولِ بیابانی میں ہے

جانکی، تیری نگہبانی میں ہے

باخبر! قدرت کے ہر بہروپ سے

رات کی سیاہی سے دِن کی دُھوپ سے

لوٹنے والے ستم سے احتیاط!

آہوئے فطرت کے رم سے احتیاط!"

عرض کی "آئی بھی آسکتی نہیں

کوئی ہستی ورغلا سکتی نہیں"

تیر جوڑا اور روانہ ہو گئے
نقدِ جاں کی طرح اُن سے کھو گئے
دُور تک پیچھا کیا بھگوان نے
چیخ ماری ناگہاں شیطان نے
"لکشمن! آنا، قریب المرگ ہوں
اک خزاں دیدہ شجر کا برگ ہوں"
جانکی سُن کر صدا رونے لگی
"اُن کو لے آؤ"۔ مُصِر ہونے لگی
لکشمن ہاتھوں کو اپنے جوڑ کر
کہہ رہا ہے، "جاؤں کیونکر چھوڑ کر
دشت کا وحشت سے دامن چاک ہے
تیری تنہائی مصیبت ناک ہے"

"رام یوں مجروح ہو سکتا نہیں
غرقِ دریا تو رح ہو سکتا نہیں
تشنۂ بادہ ہو ساقی، جھوٹ ہے
رام سچ ہے اور باقی جھوٹ ہے
رام پر نازل بلا ہو' جھوٹ ہے
رام پر کوئی جفا ہو' جھوٹ ہے
رام مصروفِ بکا ہو' جھوٹ ہے
رام سا مشکلکشا ہو' جھوٹ ہے
مرہمِ آلام جس کی یاد ہو
وہ قتیلِ خنجرِ بیداد ہو؟
غور کیجے! قابلِ صد غور ہے
طالبِ امداد کوئی اور ہے"

سُن کے لچھمن سے صفت بھگوان کی
مُسکرائی اور بولی جانکی
"مَیں نے مانا تیرا کہنا ٹھیک ہے
سب یہ لیکن نفس کی تحریک ہے
آرزو رکھتا ہے دِل میں چاہ کی
بدنظر ٹھانی ہے مجھ سے بیاہ کی
تیری نیّت میں خلل آئے نہ کیوں
طبع بد دُنیا پہ للچائے نہ کیوں
روشنی دِن کی پچھاڑی جا چکی
لاش سُورج کی ہے گاڑی جا چکی
بَن ہے تاریکی ہے عورت ذات ہے
گائے اور شیروں کا ساتھ ہے"

لال کیں آنکھیں غضب سے شیر نے
رو دیا فرطِ ادب سے شیر نے
سر جھکا کر خاکساری سے اُٹھا
دردِ دل کی بیقراری سے اُٹھا
شیر سے خالی ترائی ہو گئی
خطرۂ جاں کی صفائی ہو گئی
راون آیا واں گدا کی شکل میں
اک فقیرِ بے نوا کی شکل میں
دان دینے کو جو آئی جانکی
دوشِ وحشت پر اُٹھائی جانکی
بادپا کے ساتھ جکڑا آن کر
چل پڑا دِل میں ستم کی ٹھان کر

نازنیں کو لیکے اِک ہَوّا اُڑا
ظلم کے گردوں پہ کنکوّا اُڑا
کیا فرازِ کوہ سے مانوس ہے
بَرقِ آتش ریز کا فانوس ہے
ابر نے ڈالا ہے جھُولا چرَخ پر
پھر رہا ہے اِک بگولا چرَخ پر
انتقالِ ذہن کی تصویر ہے
نقشِ پائے آسمانِ پیر ہے
کہکشاں پر گامزن گھوڑا ہے کیا
بدگہر نے اشقلہ چھوڑا ہے کیا
نالہ نکلے لیکے مشعل ہات میں
آہ، جگنو ٹانک دے ظلمات میں

رامؔ سے لچھمن بچشمِ تر ملا
پُر الم صورت سے شیرِ نر ملا
پُوچھا رگھبیرؔ نے "کہو تو خیر ہے؟
بُشرہ کہتا ہے، کہ حالت غیر ہے
چھوڑ آیا اُس کو تنہائی میں کیوں
پاؤں رکھا دشت پیمائی میں کیوں
لکشمن پیارے! یہ تو نے کیا کیا
کیا خبر اب تک عدو نے کیا کیا
چل دیا مارتچ نے بھائی مجھے"
عرض کی "طعنہ زنی لائی مجھے"
آ کے دیکھا در پہ بکھری بھیک تھی
جانکی گُم، جھونپڑی تاریک تھی

گھاٹیوں پر چڑھ کے دوڑائی نظر
چوٹیوں سے دشت پر چھائی نظر
وادیوں میں جا کے دُہرائی نظر
دُور تک دیکھا نہ وُہ آئی نظر

چاندنی راتوں میں جھیلوں تک گئے
وُہ سرابی سلسبیلوں تک گئے
ریت کے شفّاف ٹیلوں تک گئے
کوہساروں پہ وُہ میلوں تک گئے

مہرُخوں نے بَن میں ڈھونڈھی جانکی
عابدوں کے مَن میں ڈھونڈھی جانکی
نقشِ پائے جانکی مفقود تھا
جُستجو کا راستہ مسدود تھا

آنکھ نے ڈھونڈھا غزالوں میں اُسے
ناچتے موروں کی چالوں میں اُسے
فکر کا پائے تجسّس پھِل گیا
انجنی ستؔ اتّفاقاً مِل گیا
غار میں سگریو سے رگھبر ملے
بیکس و یاور گلے لگ کر ملے
عرض کی مظلوم نے مہراج سے
"ہاتھ دھو بیٹھا ہوں تخت و تاج سے
بھائی نے بھائی کی عورت چھین لی
ایک بے رحم نے مری پت چھین لی"
ہنس کے فرمایا، کہ کچھ پروا نہیں
ہم دلائیں گے تجھے، گھبرا نہیں

کِشکندہ باسی نے کچھ زیور دیئے
مچھلیاں دیں، کان کے گوہر دیئے
قیمتی پازیب دی جھومر دیا
ہار اِک ٹوٹا ہوُا لا کر دیا
نالہ ہائے نارسا کی دی خبر
چرخ پر آہ و بکا کی دی خبر
زیبِ گردوں بادپا کی دی خبر
راکبِ غم مبتلا کی دی خبر
سر بسر لنکیش نے جکڑی ہوئی
باز نے عصفور ہو پکڑی ہوئی
زیوروں کو پھینکتی جاتی تھی وُہ
کوئی شہزادی نظر آتی تھی وُہ

بولے یاں "مشکل نئی ہر آن ہے؛
لکشمن! اِن کی تجھے پہچان ہے؟
عرض کی" یہ بے خبر واقف نہیں
رُوئے انور سے نظر واقف نہیں
آنکھ اُٹھا کر آج تک دیکھا نہیں
مہرِ انور کا ہے شک دیکھا نہیں
پاؤں کی پازیب دیکھی سو یہ ہے
قلبِ مضطر کی تشفی کو یہ ہے
راون آیا ہے چُرا کر لے گیا
گُل کی خوشبو کو اُڑا کر لے گیا
بس وُہی اِک مُفسدہ پرداز ہے
چیرہ دستی پر اُسی کو ناز ہے"

آپ رہ جائیں یہاں مَیں جاؤنگا
قیدِ راون سے چھڑا کر لاؤں گا
اِس صعُوبت کو اُٹھائیں آپ کیوں
بندہ جب حاضر ہے جائیں آپ کیوں
مَیں نے گم کی ہے ۔ یہ میرا فرض ہے
آپ سے سچ سچ حقیقت عرض ہے
مجھ کو جانے کی اجازت دیجئے
میری اِس خواہش کو پورا کیجئے
مسکرائے شہ ۔ بگڑتا دیکھکر
سروِ باغی کو اکڑتا دیکھکر
رنگ عارض کو نکھرتا دیکھکر
دوش پر گیسو بکھرتا دیکھکر

لکشمن جانی۔ رگھوبر نے کہا
اے نیت ستانی، رگھوبر نے کہا
چھوڑ دیں سگریو کو بے تاج کیا
ایک بد اختر کریگا راج کیا؟
کیا یونہی رہ جائے گا وہ تخت پر؟
برق کوندے گی نہ کیا بدبخت پر؟
شیر اس پر حملہ زن ہوگا نہ کیا؟
تیرے ہوتے گرم زن ہوگا نہ کیا؟
یار یوں صحرا میں آوارہ پھرے؟
خانماں برباد بے چارہ پھرے؟
پہلے اُس کو سلطنت دلوا تو لو
جنگجو بالی پہ قابو پا تو لو

سر پہ آیا گرز اجل کے رنگ میں
ہو گیا مجروح بالی جنگ میں
اڑ گئیں اُس پہ گہر کی دھجیاں
قلب کے ٹکڑے جگر کی دھجیاں

حسب وعدہ راج دلوایا اُسے
اپنے مطلب کا مگر پایا اُسے
برکھا رُت کا بھی سماں جاتا رہا
یار لیکن آج تک آتا رہا
کیسری نندن نے سمجھایا اُسے
اُس کا وعدہ یاد دلوایا اُسے
لکشمن، رگھبیر سے شا کی اُدھر
مشتعل دیکھی اسدنا کی اُدھر

"جانِ کیا دیگا زباں سے پھر گیا
جُرعہ کش، پیرِ مغاں سے پھر گیا
بُلبُلہ، اَے خوش نفس! بھُولے نہ کیوں
عیش میں بندہ تجھے بھُولے نہ کیوں
اور اُس پر مہربانی کیجئے
اب حوالے لامکانی کیجئے
واہ کیا اچھا کِسی کا یار ہے
جو زمانے بھر کا ناہنجار ہے
تیرے دُزدیدہ تبسم کی قسم
عیسئ دَوراں! ترے قُم کی قسم
پِی چُکا ہوتا مئے جامِ فنا
آگیا ہوتا تہِ دامِ فنا"

لکشمن جنگل سے پہنچا شہر میں
رونقیں دیکھیں تو آیا قہر میں
قصر شاہی میں اسد داخل ہوا
گلرخوں میں سرو قد داخل ہوا
خوف سے راجے کی رنگت فق ہوئی
اب پھٹا آکاش، دھرتی شق ہوئی
شیر نے دیکھا کہ محفل گرم ہے
گھور کر بولا "مقامِ شرم ہے
واہ اچھی قدر کی رگھبیر کی
مہربانی ہے شۂ دلگیر کی
آج تک جو روک رکھا ہے مجھے
تیرے حق میں ٹوک رکھا ہے مجھے"

الغرض خدمت میں لے آیا اسے
رام کے قدموں پہ جھکوایا اسے
سرنگوں تھا وہ پشیمانی کے ساتھ
پیش آئے خندہ پیشانی کے ساتھ
پھر اٹھائی اس نے تمہیدِ وفا
پھر ہوئی آپس میں تجدیدِ وفا
لشکرِ جرّار لیکر آگیا
دور تک جنگل میں انگد چھا گیا
قائدِ اعظم ہنوماں ساتھ ہے
جس کی طاقت میں قضا کا ہاتھ ہے
جانبِ لنکا شری رگھبر چلے
ہمرکاب افواج کے افسر چلے

سنکھ سے ساحل پہ اِنکی جے ہُوئی
دشت کی گویا مسافت طے ہوئی
منزلوں اب قلزم ذخّار ہے
پُل عساکر کے لئے درکار ہے
سب نظر آتے ہیں پُر تشویش سے
جنگ ممکن ہی نہیں لنکیش سے
کاش پیدا کہکشاں کی راہ ہو
منتقل کشتی میں عکسِ ماہ ہو
بوئے گُل شبنم سے مُنہ دھو کر اُٹھے
نرگسِ شہلا جُونہی سو کر اُٹھے
منجمد دیکھے وہ آبی موج کو
گامزن پائے ہماری فوج کو

بحرِ بے پایاں ہزاروں میل ہے
خدمتِ رہبر میں حاضر نیل ہے
کہہ رہا ہے "میں بتا سکتا ہوں میں
سطح پر پتھر ترا سکتا ہوں میں"
خود جو پھینکا ایک پتھر آن کر
ڈوبتے پایا تو پوچھا جان کر
اِس میں پوشیدہ بتا کیا راز ہیں"
یوں تو ہم بھی صاحبِ اعجاز ہیں
عرض کی "واقف ہیں تیری ذات سے
چھوڑ دے تو جس کو اپنے ہات سے
غرقِ دریا وہ بھلا کیونکر نہ ہو
ڈوب جائیں ہم جو تو یاور نہ ہو"

پُل کیا تیار نل اور نیل نے
خوشنما ہموار نل اور نیل نے
طے ہوا پہلے وہاں جائے کپی
اور سیتا کی خبر لائے کپی
چلدیا قاصد شہ ذی جاہ کا
تُند جھونکا آتش انگیز آہ کا
چھا گیا لنکا میں اندھیرا ہیں
آندھیوں نے آسماں گھیرا ہیں
زلزلوں پر زلزلے آنے لگے
ساکنانِ شہر تھرّانے لگے
قصرِ شاہی کو ہے رُخ بھونچال کا
داخلہ ہے انجنی کے لال کا

جستجو قصرِ عظیم الشّاں میں کی
آخرِ شب سیرِ چمنستاں میں کی
حور دیکھی صحن میں تالاب پر
سر بزانو چادرِ مہتاب پر
سنگِ مرمر کی ترشوائی نہ ہو
بُت گری بُتگر نے دِکھلائی نہ ہو
صنعتِ آذر کا دھوکا کھا گیا
چھاند کر نزدیک اُس کے آگیا
غور سے دیکھا تو حیرانی ہوئی
بدگمانی پر پشیمانی ہوئی
بڑھنے والا تھا کہ یہ ناگہ رُکا
چھونے والا تھا کہ تعظیماً جھکا

کون؟ بولا، "ایلچی سرکار کا"
نام؟ بجرنگی ہے، خدمت گار کا"
رام آئے ہیں رہائی کے لئے
فوج لائے ہیں لڑائی کے لئے
گو ابھی تک وہ سمندر پار ہیں
جنگ پر لیکن سبھی تیار ہیں
مجھ کو بھیجا ہے خبر کے واسطے
آپ سے عالی گہر کے واسطے
یہ انگوٹھی ہے اِسے پہچانئے!
میں جو کہتا ہوں اُسے سچ جانئے
قیدِ تنہائی کے صدموں کی قسم
مجھکو ماتا! تیرے قدموں کی قسم"

آبدیدہ ہو کے بولی جانکی
"بے نیازی ہے شری بھگوان کی
ظلم ٹوٹیں رام کے ہوتے ہوئے
عُمر گذرے ہجر میں روتے ہوئے
روز خطرے میں رہے عصمت مِری
آپ کو بھیجا زہے قسمت مِری
اُن سے کہنا میرا پیغامِ فراق
جان کے بیری ہیں آلامِ فراق
بر سرِ بالیں ضرورت ہے تِری
کوئی آنے کی بھی صورت ہے تِری
پیشکش چوڑامنی کی پیش ہے
جائیے اب آرہا لنکیش ہے"

دُور سے دیکھا وُہی مکّار تھا
بوالہوس، عیّار، بدکردار تھا
بُول! شادی کیلئے تیّار ہے؟
دیکھ اب تیرا فضول اِنکار ہے
تو یہاں ہے عمر بھر کے واسطے
کون آئے گا خبر کے واسطے"
کیا ہی جھنجلا کر کہا" پروا نہیں
ایک عورت ذات کو دھمکا نہیں
آ رہے ہیں ناگہانی طور سے
باز آ بودے! جفا و جور سے
بیکسوں کو بے کسی پر ناز ہے
اس کی لاٹھی آہ بے آواز ہے"

آگ، لنکا کو لگا کر آگیا
دشمنوں کے دل جلا کر آگیا
ظالموں کے ظلم دُہرائے گئے
خیمے ساحل سے اُکھڑوائے گئے
چشمِ رگھبر بے طرح خُونبار تھی
فوج اٹھی اور سمندر پار تھی
بھیجا انگد کو کہ لوٹا دیں سیا
قید خانہ سے جو بھجوا دیں سیا
شیر حاضر ہیں صفائی کے لئے
ورنہ آئے ہیں لڑائی کے لئے
صف شکن، روبہ خصالوں میں گیا
بھیڑیا، گویا شغالوں میں گیا

تھے بھبھیشن سے وہاں کچھ نیک بھی
بد گہر لیکن نہ مانا ایک بھی
سَروِ رعنا تھا کھڑا دربار میں
دُو بدُو اُن سے لڑا دربار میں
تان کر سینہ جما کر پاؤں کو
شیر نر بولا بڑھا کر پاؤں کو
بال بھر اونچا اُٹھا دو گر اِسے
لو جماتا ہوں ہٹا دو گر اِسے
مَیں نہیں لینے کا ماتا جانکی
سُن کے باچھیں کھِل گئیں ارکان کی
سامنے آؤ اگر مقدور ہے
اہلِ کیں بولے "ہمیں منظور ہے"

وُہ ستونِ سنگ، ہل سکتا نہ تھا
کون تھا حیرت سے جو تکتا نہ تھا
خود اُٹھا راون اُٹھانے کیلئے
ایک عبرت تھی زمانے کیلئے
سانس پھولی تھی کہ دم رُکنے لگا
پائے انگد پر ستم جُھکنے لگا
کھینچکر پاؤں یہ پیچھے ہٹ گیا
وُہ ہوئی تحقیر، ظالم کٹ گیا
عرض کی۔ "داں سجدہ ریزی کیجئے
بندگی کی داد اُن سے لیجئے
رام تیری مملکت میں آئے ہیں
ساتھ نامحدود بخشش لائے ہیں"

ایلچی، ناکام واپس آگیا
گو نجتا ضرغام واپس آگیا
بچھ رہا تھا موت کا جادہ ابھی
ہو رہے تھے شیر آمادہ ابھی
فوج نے چلّے چڑھائے تھے ابھی
ناوک افگن، رَن میں آئے تھے ابھی
ظُلم سے بچ کر بِھبھیشن آگیا
گھر کا بھیدی دِل کی لنکا ڈھا گیا
لے گیا جنسِ شجاعت لُوٹ کر
جا مِلا رگھبر سے بھائی ٹُوٹ کر
یاں غلام آیا غُلامی کے لئے
صف بڑھی اُس کی سلامی کے لئے

کام آئے نالہ ہائے جانکی
جنگ راون سے ہوئی گھمسان کی
دشمنوں کے خون کے دریا بہے
صورتِ قلزم کئی صحرا بہے
خوب اندرجیت، لچھمن سے لڑا
دیو پیکر، شیرِ آہن سے لڑا
دیر تک تیر افگنی ہوتی رہی
بعد میں خنجر زنی ہوتی رہی
جنگجو جنگ آزما ہوتے رہے
حق شجاعت کے ادا ہوتے رہے
لکشمن زخموں سے بالکل چور تھا
یہ اگر غش کھا گیا مجبور تھا

شیر کا ماتم بپا ہے ہر طرف
نالۂ غم کی صدا ہے ہر طرف
کہہ رہے ہیں گریۂ پیہم کے ساتھ
جی رہے تھے یار تیرے دم کے ساتھ
جنگلوں میں اب ہمارا کون ہے
زندگانی کا سہارا کون ہے
عمر بھر کے واسطے غم رہ گئے
حسرتا! تو چل بسا ہم رہ گئے
تاجداری سے بھبھیشن رہ گیا
ظلم کو لنکا میں راون رہ گیا
قیدئ غم کی رہائی رہ گئی
وصل میں ڈھلتے جدائی رہ گئی

نیم شب، جرّاح بلوایا گیا
گُلستانِ زخم دِکھلایا گیا
عرض کی، باقی بدن میں رُوح ہے
شیر اگرچہ بے طرح مجرُوح ہے
آپ اس درجہ نہ غم فرمائیے
خادموں سے اوشدھی منگوائیے
فوج تھی خدمت میں حاضر صف بصف
شاہ نے دیکھا پون ست کی طرف
اوشدھی کا سامنے پایا پہاڑ
دیو طاقت کا، اُٹھا لا پہاڑ
داغہائے غم، کپی نے دھو دیئے
شاہِ بحروبر، خوشی سے رو دیئے

لخلخہ اس کا سنگھایا شیر کو
آنکھ کھولی، ہوش آیا شیر کو
دامن پر خاک جھاڑا شیر نے
تندرست ہو کر دھاڑا شیر نے
فوجِ اعدا سے لڑائی پھر ہوئی
خون سے رنگیں ترائی پھر ہوئی
سو گئے تیغ اجل کی چھاؤں میں
جسمِ راون روند ڈالا پاؤں میں
بھائیوں نے کیا شکستِ فاش دی
آمدِ مندودری پر لاش دی
لوحِ ہستی سے ہٹا ڈالا ستم
موت کے سانچے میں کیا ڈھالا ستم

باغ میں پہنچا مہر بھیجا گیا
مژدۂ فتح وظفر بھیجا گیا
انجنی ست نے مبارکباد دی
نیم جاں نے مسکرا کر داد دی
شادماں ہو کر کہا گیا دوں تجھے
کاش ہوتے دو جہاں حاصل مجھے
داغِ فرقت کے سوا رکھتی نہیں
میں بجز حرفِ دعا رکھتی نہیں
دہر میں رکھے سکھی پرماتما
ظلم سے دکھنے نہ پائے آتما
اخترِ تقدیر تابندہ رہے
نام لیوا رام کا زندہ رہے

پا برہنہ قید سے لائی گئی
رُوبرُوئے خلق، بلوائی گئی
آزمایش میں قدم دھرتے ہُوئے
پاک دامانی کا دم بھرتے ہُوئے
آگ پر جُوں جُوں سیا چلتی گئی
ساتھ جنّت پھُولتی پھَلتی گئی
رازِ معصُومی، دِلوں پر کھُل گیا
سب تکدّر، آنسُوؤں سے دُھل گیا
غم کی بدلی، اشکباری سے مِلی
فصلِ گُل، ابرِ بہاری سے مِلی
زخمہائے تیغِ فرقت، سِل گئے
جانکی جی کو رگھوبر، مِل گئے

تاج رکھا تھا بھبھیشن کے لئے
کج کُلا ہا نہ یہ زیبِ سر لئے
رام کے قدموں پہ سجدہ ریز ہے
کس قدر منظر طرب انگیز ہے
وُہ بصند کہتا ہے "کب کب آئینگے
آپ اجازت لے کے مجھ سے جائینگے
یا مجھے ہمراہ لیتے جائیے"
شہ نے فرمایا، کہ اچھا آئیے
گود میں آندھی کی طیّارہ چلا
اوٹ میں بادل کی سیّارہ چلا
فکرِ شاعر ہے، شہابی شان میں
گوشوارہ ہے، ہوا کے کان میں

روشنی سی ہو رہی تھی چرخ پر
ضو، ستارے بو رہی تھی چرخ پر
خاک نے جوڑے تھے رشتے چرخ سے
ناگہاں اُترے فرشتے چرخ سے
بھرت، با اعیان و ارکانِ شہی
سرو، با گُلہائے دامانِ شہی
منتظر آجُودھیا کی راہ میں
سر بسجدہ، انتظارِ شاہ میں
کہہ رہا تھا۔ "آج بھی آئے نہ وہ
شام تک تشریف گر لائے نہ وہ
آتشِ غم پھانک کر مر جاؤں گا
دارِ فانی سے سفر کر جاؤں گا"

ختم انگاروں پہ اُس نے رات کی
تاج رکھ کر درمیاں میں بات کی
"تخت پر جلوہ نمائی کیجئے
بھرت کی مُشکل کشائی کیجئے
حُکم دیتا ہوں' اُٹھاؤ تاج کو
اب جو آئے ہو سنبھالو راج کو"
بھرت کی جُرأت پہ سب حیران ہیں
سچ ہے بھگتوں کے بھگت بھگوان ہیں
راج دے کر تخت پر بٹھلا دیا
بارشِ گُل میں اُنہیں نہلا دیا
بول جَے' بھگوان جگ وندن کی جے
جَے' شری کوشلیا نندن کی جے

کتاب ہذا

باہتمام ابو رضا عطاء اللہ پرنٹر ثنائی برقی پریس امرتسر میں چھپی

اور دفتر

نفیس بک ایجنسی

کوچہ سندھی خاں کوتوال امرتسر

سے شائع ہوئی

سنہ ۱۹۳۱ء

قیمت [illegible]

ادب و تاریخ

یوگی راج کرشن

نفیس خلیلی

منظوماتِ نفیس

مریادا پرشوتم رام - عہ ر

بھیشم پرتگیا ۳ ر

دروپدی سوئمبر ۳ ر

گیتا ۵ ر

کرکشیتر ۶ ر

شانتی پرب ۴ ر

ملنے کا پتہ

نفیس بک ایجنسی

کوچۂ سندھی خاں کوتوال

امرت سر

دیباچہ

بادشاہ سپاہی کو اس غرض کیلئے تلوار بخشتا ہے کہ وہ اسے سلطنت کے دشمنوں کے گلے پر آزمائے - لیکن بدقسمت انسان اس عطا کردہ حربہ کو شاہی حکم کے خلاف بلند کرتا ہے اور حکومت کے دوست قتل کر دئے جاتے ہیں

سپاہی کا جرم ثابت ہے

بعینہ یہی مثال اُس شخص کی ہے کہ جسکی طبیعت میں شاعرانہ جسیات فطرتاً مجبول ہوں اور وہ اُنہیں اخلاقی یا مذہبی رنگ میں ظاہر کرنے کی بجائے شوقیانہ جذبات میں پیش کرنے کا خطاوار ہو ؎

مَیں نے حتی الوسع یہ کوشش کی ہے کہ اہلِ وطن کی خدمتمیں ایسی سبق آموز کتابیں پیش کروں جن سے کہ فرقہ دارانہ خیالات کی ایک حدتک اصلاح ہو اور وہ تمام منافقانہ جذبات مٹ جائیں جو کہ نام نہاد مذہبی پیشواؤں کی بدولت ہمارے دلوں میں پیدا ہو چکے ہیں ؎

راماین منظوم میری پہلی تالیف ہے اور یہ امر پوشیدہ نہیں کہ مَیں ہندو بزرگوں کا دل سے شیدا ہوں اور چاہتا ہوں کہ ہندو مصنف بھی میری طرح اسلامی رہنماؤں کیطرف متوجہ ہوں اور ایسی کتابیں لکھی جائیں جو زمانہ مستقبل میں ہندو مسلم اتحاد کی سنگ بنیاد ثابت ہوں

"نفیس خلیلی"

جو مشہور عالم میں اِک پُر جفا ہے
وہی کنس متھرا کا فرمانروا ہے
کہاں تک بیاں خون کی ہو سفیدی
پدر قید خانے میں ہے ایک قیدی
لرزتے ہیں اعیان و ارکان سارے
ڈراتے ہیں چشمِ غضب کے شرارے
جو ہوگی نہ مظلوم کی اَشک شوئی
یقیں ہے کہ طوفان آئے گا کوئی
بزرگوں کی عزّت کی پروا نہیں کچھ
عزیزوں کی ذِلّت کی پروا نہیں کچھ
الم دینے والے الم دے رہے ہیں
جفاؤں کے ظالم مزے لے رہے ہیں

ستم سے اگر ہاتھ اُس نے نہ روکا
وُہ دیتا رہا گر خُدا ابن کے دھوکا
نہ کی ترک اُس نے اگر خود پرستی
رہی گر یُونہی جنسِ الحاد سستی
پسِ مرگ اس کا ٹھکانا سقر ہے
جفا جو ہے ظالم ہے بیداد گر ہے
فلک ہل گیا اور زمیں ڈگمگائی
معاً غیب سے اُس کو آواز آئی
"خُدا ہو رہا ہے غضبناک دیکھو
سنبھل جاؤ! باز آؤ! سفّاک! دیکھو!
مشیت ہے ناراض تیری جفا پر
بھلا کر، بھلا کر، بھلا کر، بھلا کر"

چمک دُور سے برقِ خاطف کی آئی
پھر اک روز آواز ہاتف کی آئی
مشیّت کا اب ہو چکا ہے ارادہ
کہ تجھ کو کرے قتل ہمشیر زادہ
وُہ لے گا جنم دیوکی کے شکم سے
وُہ لڑ جائے گا تیری تیغِ ستم سے
جو مظلوم ہیں اُن کا غمخوار ہو گا
جو بیکس ہیں اُن کا مددگار ہو گا
پلٹ دیگا متھرا کی اِک پل میں کایا
فرشتوں سے ہو گا بلند اُس کا پایا
وُہ ارجن کی ڈھارس بندھائیگا رن میں
لگا دیگا گیتا سے آتش بدن میں

کئے چاند نے چرخ پر کچھ اشارے
فرشتے ہوئے دفعتاً جمع سارے
وہ ارواح، وہ پیکرانِ اطاعت
وہ پھیلی ہوئی قدسیوں کی جماعت
کچھ اس لحن میں بزمِ انجم نے گایا
پسِ پردہ، نورِ خدا مسکرایا
سرِ عرش ہے بزمِ حق لاجواب آج
زبردست ہادی کا ہے انتخاب آج
لباسِ فنا میں بقا آ رہی ہے
صدا بنسری کی غضب ڈھا رہی ہے
وہ مرلی منوہر چلا آسماں سے
گہر، نور کے قلزمِ بیکراں سے

اگرچہ بہت دِل میں تھرّایا ضدّی
جفاؤں سے لیکن نہ باز آیا ضدی
بہن اور بہنوئی کو خوب پیٹا
گھسیٹا، لتاڑا، لتاڑا، گھسیٹا
جفاکار نے قید خانے میں رکھکر
مُقرر کئے پاسباں بیکسوں پر
کہا، "طِفل آئندہ رہنے نہ پائیں
جو پیدا ہوں وہ زندہ رہنے نہ پائیں"
لگا لختہائے جگر ذبح کرنے
پسر رُوبرُوئے پدر ذبح کرنے
تہِ تیغ چھ کر چکا جب ستمگر
امیدِ ستم بندھ گئی ساتویں پر

سعادت نصیبی کی شب آن پہنچی
معاً ساعتِ پُر طرب آن پہنچی
گھٹائیں اُٹھیں، مینہ گوکل میں برسا
چمن بھر گئی، نُورِ حق جَل میں برسا
فرشتوں نے گُل پھینکے یومِ ولادت
مشیّت ہنسی زیرِ لب حَسبِ عادت
نِگہ کی لپکنے لگی لاجونتی
بہار آ گئی غمکدے میں بسنتی
سروں پر کِھنچا نُور کا شامیانہ
منوّر ہُوا ظُلم کا قید خانہ
خوشی روزنِ سقف سے مسکرائی
غریبوں کی امیدِ رحمت بر آئی

ضعیفوں کا والی جنم لے چکا ہے
بزرگ اور عالی جنم لے چکا ہے
جنم لے چکا ہے منوہر بہاری
جنم لے چکا ہے کرشنا مراری
بشر صاحبِ قدر پیدا ہوا ہے
ملک غیرتِ بدر پیدا ہوا ہے
برج لعل گھنشام تشریف لائے
شہنشاہِ خوش کام تشریف لائے
گن اور گیان کی بانسری کا بجیا
ہوا عرش اعظم سے نازل کھنیا
جو رقصاں ہیں پریاں تو گاتی ہیں حوریں
پرے باندھے جنت سے آتی ہیں حوریں

ستم کا تبر اور گلوئے پسر ہے
المناک مادر ہے غمگیں پدر ہے
گُل اندام فرزند چھ کھو چکے ہیں
سپُردِ جفا و ستم ہو چکے ہیں
دمِ صبح ہے ماہِ ہفتم کی باری
زبوں حال ہے دیو کی غم کی ماری
پدر کی ہے خواہش کہ اس کو چھپاؤں
ملے راہ تو نند کے پاس جاؤں
دریچے سے جھانکا تو سوئے تھے درباں
تمنّا چھپائے ہُوئے زیرِ داماں
خموشی سے جمنا کے اُس پار پہنچا
اُدھر نند ایسا مددگار پہنچا

کہا "آپ اِس سے بدل لیجے دُختر
سمن بر، خوش اِقبال فرخندہ اختر
نہایت حفاظت سے لے جائیے گا
ستم کیش سے ذبح کروائیے گا
وُہ مکّار ہے دیجئے اُس کو دھوکا"
یہ کچھ بولنا چاہتے تھے، کہ روکا
کہا "نند کی آج قسمت ہے ہیٹی
کہ رکھتا ہے اِس وقت وُہ ایک بیٹی
خداوند اگر ایسا احسان کر دے
جو دے لاکھ بیٹی تو قُربان کر دے"
گئے اور خبر جا کے مشہور کر دی
کہ پھر حق نے معصوم سے گود بھر دی

بڑھاتا ہُوا رُعب فرطِ غضب سے
جُھکاتا ہُوا گردنوں کو ادب سے
وُہ دیتا ہُوا غم اسیروں کو دھمکی
دکھاتا ہُوا تیغِ بُرّاں ستم کی
بداندیش آیا سُوئے قید خانہ
بہن کی طرف دیکھ کر ظالمانہ
تکلّف سے بولا کہ حالت ہے کیسی؟
جُھکائے ہو گردن، خجالت ہے کیسی؟
اَلم کِس کا ہے، ڈبڈبائی ہیں آنکھیں
لہُو رو چکی ہیں کہ آئی ہیں آنکھیں
دکھاؤ تو بھانجے کا ماموں کو چہرا
مَیں لایا ہوں عشرت کے پھُولوں کا سہرا

بہن بولی "۔ ظلم اتنا ڈھاؤ نہ صاحب
یہ دُختر ہے، غصے میں آؤ نہ صاحب
مری گود میں حُور بھیجی خُدا نے
عجب پیکرِ نُور بھیجی خُدا نے
ہے بیٹی کی تصویر ماں کا سہارا
کلیجے کی ٹھنڈک تو آنکھوں کا تارا
تمہارے ستم کے یہ قابل نہیں ہے
لو دیکھو! یہ معصُوم کتنی حسیں ہے"
ستمگر نے لیکر گلا گھونٹ ڈالا
اُسے ٹھوکروں سے ہَوا میں اُچھالا
سفر کر گئی ماں کی معصُوم بیٹی
پدر نے کہا، آہ! مظلُوم بیٹی!

ہے محبُوب دا اور یشودہا کے گھر میں
چمن کا شناور یشودہا کے گھر میں
یشودہا ہے مُرلی منوہر کی دایہ
یشودہا کے ہمرہ ہے رحمت کا سایہ
یشودہا کی جاگی ہے تقدیرِ خُفتہ
یشودہا کے دِل کی کلی ہے شگفتہ
یشودہا نے بیٹی نثار اِن پہ کردی
تو خالق نے مہتاب سے گود بھردی
مُقدّر عجب تُو نے پایا یشودہا
گھنیشام حِصّے میں آیا یشودہا
وُہ گُل آج گوکل میں ہم دیکھتے ہیں
"خیابانِ اِرم دیکھتے ہیں"

کنہیا کی آنکھیں ہرن سے نشیلی
کنہیا کی شوخی کلی سے رسیلی
کنہیا کی خوشش لہجگی دامِ فطرت
کنہیا کی زُلفِ سیہ شامِ فطرت
کنہیا کی چھب دِل اُڑا لینے والی
کنہیا کی صُورت لبھا لینے والی
کنہیا کا بچپن شرارت کا عنواں
کنہیا کی عشوہ گری حشر ساماں
کنہیا کا نقشہ ہے صنعت خُدا کی
کنہیا کا عالم حسیں جس کے شاکی
کنہیا کی ہر بات میں ایک رس ہے
کنہیا کا دیدار سیمیں قفس ہے

کبھی گوپیوں میں جو پنگھٹ پہ آئے
وُہ نخرے میں آئیں تو یہ ہٹ پہ آئے
کِسی کا سلامت دوپٹہ نہ چھوڑا
جو بھاگیں تو کنکر سے مٹکوں کو پھوڑا
جو ہاتھ آئی، اُس کی مروڑی کلائی
بہُت کسمسائی نہ چھوڑی کلائی
بٹھایا زمیں پر پکڑ کر کِسی کو
رکھا بانسری سے جکڑ کر کسی کو
وُہ کہتی ہیں۔ "اب شام ہوتی ہے پیارے"
یہ کہتے ہیں۔ "کیوں آئیں جمنا کنارے"
ہیں کپڑوں کی طالب حسینانِ گوکل
چھپا ہے مگر ماہِ تابانِ گوکل

گوالن کا مکھّن چُرا کر جو بھاگے
وُہ لائی شکایت یشودھا کے آگے
کہا تیرا موہن ستاتا بہُت ہے
چُراتا تو ہے، پر گراتا بہُت ہے"
کئی ایک پہلے سے گھر میں کھڑی ہیں
یشودھا سے سب باری باری لڑی ہیں
وہیں ناگہاں نند کا لال آیا
قیامت کی چلتا ہُوا چال آیا
کہا دُور سے "جھوٹ کہتی ہیں ماتا!
اِسی تاک میں یہ تو رہتی ہیں ماتا!
شکایات ارزاں مذاق اِن کے سستے
کہیں جاؤں تو روک لیتی ہیں رستے"

"یہ چھیڑیں مجھے اور دُہائی نہ دُوں میں
جو چھو کر جھٹک کر کلائی نہ دُوں میں
جو پنگھٹ پہ ان کو دکھائی نہ دُوں میں
جو مُرلی بجا تا سُنائی نہ دُوں میں
جو تعلیم نغمہ سرائی نہ دُوں میں
اگر جلوۂ دِلربائی نہ دُوں میں
تڑپتی ہیں، بے چین ہوتی ہیں کیا کیا
مِرے غم میں آنسو پروتی ہیں کیا کیا
نہ شب کو مِلا ہُوں نہ دِن کو مِلا ہُوں
مہینوں کے بعد آج اِن کو مِلا ہُوں
یہ جھُوٹی ہیں گر شکوہ بر لب ہیں آئیں
مجُھے دیکھنے کیلئے سب ہیں آئیں"

گئے گھر سے اور دوپہر تک نہ لَوٹے
کسی دِن طلوعِ سحر تک نہ لَوٹے
یشودھا رہی شام کی جستجو میں
سلونے" دلارام کی جستجو میں
کہیں اُن کو سکھیوں میں محصُور پایا
جمن پر کبھی حسبِ دستور پایا
اُلجھتے ہُوئے مہ جبینوں سے دیکھا
ملاقات کرتے حسینوں سے دیکھا
لگائے کبھی جا کے غوطے جمن میں
یشودھا سے گُم ہو گئے دم زدن میں
کھڑی ہے کنارے پہ حائل ہے جمنا
جو آئے نظر تو پکاری کہ "تھمنا

بسے بندرابن میں گوکل سے جاکر
رہے ساتھ اورونکے جنگل بساکر
وہی جمگھٹے ہیں، نظارا وہی ہے
حسینوں کا انبوہ سارا وہی ہے
وُہی چھیڑخانی چلی آرہی ہے
طبیعت اُسی طرح لہرا رہی ہے
یہاں بھی وُہ گردہاری کچھ دُور ہٹ کے
اچانک کئی پھوڑ دیتا ہے مٹکے
یشودہا سے شکوے کئے جارہے ہیں
یہ اِترا رہی ہیں، وُہ شرما رہے ہیں
گوالن کے گھر سے چُراتے ہیں مکھن
درختوں پہ چُھپ کر اُڑاتے ہیں مکھن

تھی نکہت ابھی جامۂ غنچگی میں
ابھی رس جنم لے رہا تھا کلی میں
جوانی نہ بچپن پہ مائل ہوئی تھی
نظر شعبدے کی نہ قائل ہوئی تھی
لطافت تھی جذبات کی سادگی میں
تھے خنجر چھپے بات کی سادگی میں
نگاہیں تھیں پاک اور جلوے تھے معصوم
تعشق کی مینا تھی بند اور مختوم
محبّت کا اظہار لفظوں میں سادہ
بھڑکنے نہ پائی تھی آتش زیادہ
وُہ ننھے سے پیکر وُہ ٹھمک سی چالیں
وُہ پاکیزہ معصومیت کی مثالیں

بڑی شان و شوکت سے جلّاد آیا
مچی دھوم گلشن میں صیّاد آیا
کہا ایلچی نے "بُلاتے ہیں صاحب
جُدائی کے صدمے اُٹھاتے ہیں صاحب
وطن پر تباہی سی آئی ہوئی ہے
دِلوں پر اُداسی سی چھائی ہوئی ہے
بغیر آپ کے شان پیدا نہ ہوگی
حسیں لاکھ ہوں آن پیدا نہ ہوگی
یہ سب آپ کے دم سے آبادیاں ہیں
نقوشِ قدم ہی کی بہزادیاں ہیں
حکومت نے آنکھیں بچھائی ہیں، چلئے!
سلامی کو فوجیں بُلائی ہیں، چلئے!

ہوئی شام تو ایلچی ہل کے بیٹھا
وُہ حلقے میں جب ماہِ کامل کے بیٹھا
نظر اُس نے پیرِ خرابات پائی
مُلاقات خلّاقِ جذبات پائی
ہُوا دِل جو محظوظ حد سے زیادہ
کیا کنس کا اُنپہ ظاہر ارادہ
ہنسے جب سُنی ایلچی کی زبانی
دغا کی حکایت ستم کی کہانی
کہا "وُہ کیا اِرادہ ہے بلرام بھائی
خوش انداز، خوشرو، خوش اندام بھائی"
گرج کر وُہ بولا "حضور آپ چلئے
نہ جاتے۔ مگر اب ضرور آپ چلئے"

کنہیا کی فرقت کا آیا زمانہ
تڑپنے لگے مُرد و زن طائرانہ
یشودھا کی حالت دگرگوں ہوئی ہے
الم کیفیت آنکھ پُر خوں ہوئی ہے
نگاہوں کے بے کیف ہیں نرگستاں
ہے پنگھٹ کا منظر اُداس اور حیراں
درختوں کے سائے میں جمنا رواں تھی
ابھی بندرابن کی فطرت جواں تھی
قلق ہو رہا تھا حسیں گوپیوں کو
وہ جل دے گئے مہ جبیں گوپیوں کو
اڑا دفعتاً بندرابن سے گھوڑا
الگ کر گیا رُوح کو تن سے گھوڑا

چمن میں ہے فصلِ بہاری کی آمد
منوہر۔ کنہیا۔ مراری کی آمد
حسینانِ متھرا سنورنے چلے ہیں
نہانے چلے ہیں نکھرنے چلے ہیں
وُہ موزونیت ساریوں میں بدن کی
وُہ پنگھٹ پہ عُریانیاں اُن کے تن کی
جوانی نے آکر اُبھارے ہیں جوبن
ہے لٹُو نظر وُہ پیارے ہیں جوبن
یہ رنگین جلووں سے پانی ہُوا ہے
کہ دریا مئے ارغوانی ہُوا ہے
حیا اُن پہ غالب ہے شرما رہی ہیں
درختوں کے سائے سے گھبرا رہی ہیں

گھروں سے پرے باندھکر آرہی ہیں
سڑک پر جواں لڑکیاں چھارہی ہیں
مدارات کے پھول ہیں جھولیوں میں
لطافت چھپائے ہوئے چولیوں میں
اِدھر سے اُدھر گردنیں مڑ رہی ہیں
دوپٹوں کی کچھ تتلیاں اُڑ رہی ہیں
انہیں ہاتھ کی دُوربینوں سے دیکھا
نگاہوں نے صدہا قرینوں سے دیکھا
حسیں، دید جاناں کے مارے کھڑے ہیں
بُتِ مرمریں پیارے پیارے کھڑے ہیں
ہے بے چینیوں کا یہ عالم کہ ہائے
وُہ آئے وُہ آئے وہ آئے وُہ آئے

کنہیا نے دیدار کی مے پلادی
ہنسے اور مینا نے گردن جھکادی
عقیدت نے پھولوں کو برسا دیا ہے
انہیں رنگِ اُلفت میں نہلا دیا ہے
کوئی ناچتا ہے، کوئی گا رہا ہے
کنہیا کی آمد کا لطف آ رہا ہے
کئی نوجواں اُن کے گھوڑے سے لپٹے
بہت پس گئے اور تھوڑے سے لپٹے
ہراساں ہؤا کنس شاہی محل میں
لرزتا ہے، آئی تباہی محل میں
اکھاڑے میں القصّہ گھنشام پہنچا
برادر کے ہمراہ بلرام پہنچا

اراکینِ مصروفِ بیداد میں تھے
تماشائی لاکھوں کی تعداد میں تھے
بڑے کرّ و فر سے جفا کار آیا
ہَوَادار میں ہو کے اسوار آیا
دلوں پر وہیں ہو گیا رعب طاری
اُٹھے اور ساجد ہُوئے باری باری
غرض جم چُکے جب ستم کے اکھاڑے
بڑھے پہلوان اور ہاتھی چنگھاڑے
ہُوئی کوہساروں سے شیروں کی ٹکّر
قضا سے نہتّے دلیروں کی ٹکّر
ہتھیلی پہ مست ہاتھیوں کو اُچھالا
یلانِ تنومند کو مار ڈالا

جو قہار تھے، سخت مقہور تھے وُہ
جو مظلوم تھے، آج مسرور تھے وُہ
عجب تاب و طاقت تھی شیروں نے پائی
ظفر سرکشوں پر دلیروں نے پائی
گرجتے ہُوئے کنس کی سمت آئے
ستم اپنی مسند پہ تھا سر جھکائے
غضبناک ہو کر جگر دار اس پہ
ہُوئے حملہ آور کیا وار اس پہ
کنہیا نے سرکش کا سر توڑ ڈالا
لگایا وُہ گرزِ گراں، پھوڑ ڈالا
جری نے اکھاڑے کی دُنیا بدل دی
ستمگر کی پاؤں سے ہستی کچل دی

تمنّا ہے پہنا کے ہم تاج دیکھیں
کرشن اور بلرام کا راج دیکھیں
دلیلوں سے لوگوں کو منوا کے چھوڑا
اگر سین کو راج دِلوا کے چھوڑا
پئے درس و تدریس کاشی سدھارے
بنارس کے گردوں پہ چمکے ستارے
دبستاں میں دو طالب علم آئے
بنارس میں دو پیکرِ حلم آئے
تھی دو مغبچوں کی خمستاں میں آمد
تھی دو گلرخوں کی گلستاں میں آمد
وطن کے بدخشاں سے دو لال نکلے
بنیک وقت ماضی سے دو حال نکلے

اِدھر یہ بنارس میں مصروفِ حق تھے
اگر سینیوں کے اُدھر رنگ فق تھے
جراسندھ خونخوار فوجوں کو لیکر
تلاطم بلا خیز موجوں کو لیکر
چڑھ آیا کہ لے کنس کا آج بدلا
ستمگار نتا کی ہے کیوں راج بدلا
ہے داماد مارا گیا، یہ الم ہے
گلے اور ظالم کی تیغ ستم ہے
وُہ کہتا ہے دریا بہا لوں تو جاؤں
میں گھوڑا لہُو میں ترا لوں تو جاؤں
وطن کے چمن پر خزاں کی اُداسی
ہیں تیغوں کے سائے میں متھرا کے باسی

سُنی جب اُنہوں نے حکائت ستم کی
بنارس سے تیغِ شجاعت علم کی
چلے ہو کے اسوار اسپِ جری پر
اُڑی دشت میں "شیر نکلے پری پر"
جلالت برستی تھی پیشانیوں سے
نگہ گرم تھی شعلہ سامانیوں سے
جو آئے نظر دُو۔ سے شاہزادے
عدو نے کیے بھاگنے کے ارادے
جراسندھ بچ کے میداں سے نکلا
گنہگار اِک محشرستاں سے نکلا
کنہیا کی تیغِ شہامت سے بھاگے
کنہیا کے زورِ کرامت سے بھاگے

کئی بار دشتِ وغا سے بھگایا
بھگوڑا نہ حملوں سے پر باز آیا
بہت دی نہتّوں نے دادِ شجاعت
جری لے گئے ساتھ زادِ شجاعت
ستمگار پھر حسبِ عادت چڑھ آیا
وہ اب کے ملیچھوں کو ہمراہ لایا
جو دیکھا کہ دشمن پہ حاوی نہ ہونگے
لڑائی میں اُس کے مساوی نہ ہونگے
کیا سب نے ترکِ وطن کا ارادہ
کہا بس یہی عافیت کا ہے جادہ
جہاں بس گئے اہلِ غربت وطن ہے
جہاں کھل گئیں چند کلیاں چمن ہے"

کنہیا کے ہمراہ نکلے وطن سے
اُٹھے آشیاں بُلبُلوں کی چمن سے
ہزاروں بشر ہیں کہ بے خانماں ہیں
کئی اِن میں بوڑھے کئی نوجواں ہیں
کئی منزلوں تک نہ بچوں نے کھیلا
لگا کمسنی کا مہینوں نہ میلا
وطن یاد آتا رہا مدّتوں تک
تصوّر ستاتا رہا مدّتوں تک
جرا سندھ کی دسترس سے تو چھوٹے
چمن کے عنادل قفس سے تو چھوٹے
فلک کے تلے خیرِ راحت تو پائی
اجاڑا جو گھر، دوارکا تو بسائی

حسیں معترف تھے حسیں رُکمنی کے
یہ شہرے تھے اُس نازنیں رُکمنی کے
وہ اِک روز مندر میں جلوہ نما تھی
وہ بُت بن کے مصروفِ یادِ خدا تھی
کہ ناگاہ پہنچا وہاں نند لالہ
سجیلا سلونا، انوکھا، نرالا
یہ مندر سے دونو ہم آغوش نکلے
تصوّر کی مانند خاموش نکلے
درِ بُتکدہ پر تھا تیّار گھوڑا
اُڑا بادپا، برق رفتار گھوڑا
رہی ڈھونڈتی فوج تا دیر اُن کو
بالآخر لیا راہ میں گھیر اُن کو

ہٹتے کھڑے تھے جماعت کے آگے
خصومت نہ ٹھہری شجاعت کے آگے
ذلیل اور پسپا کیا اہلِ کیں کو
نہ چھونے دیا اسپِ تازی کی زیں کو
معافی کا طالب تھا رکمن بہن سے
ظفریاب ہو کر چلا شیر رن سے
ہوا کا تھپیڑا، فرس کا طرارا
اُٹھا خاکِ صحرا سے گویا چکارا
پشیماں تھا رکمن کہ ناحق خطا کی
دغا کی مقدر سے مَیں نے دغا کی
اب آئیں تو پاؤں پڑوں اور منا لوں
گناہوں کی مانند دل میں چھپا لوں

عروس اور نوشاہ شمشاد و قمری
محبّت کی گانے لگے مل کے ٹھمری
یہ وہ کبک اِک دوسرے پر تھے شیدا
ہوا پر دمن سا پسر گھر میں پیدا
وہ آرامِ جاں، نورِ جاں، راحتِ جاں
جو مسرور ہے باپ، مغرور ہے ماں
محبّت کی پاکیزگی رنگ لائی
کہ خالق نے بیٹے کی صورت دکھائی
ہے ماں باپ کا قلب فرحت رسیدہ
تمنّا کی ٹہنی ثمر سے خمیدہ
کلیجے کی ٹھنڈک سے سرد آتما ہے
مرادوں کا گلزار پھولا پھلا ہے

وُہ ہمشیرۂ شام اَغنی سبھدرا
پری چہرہ گلفام اَغنی سبھدرا
جواں خوش ادا حور پیکر سبھدرا
حسیں ماہ طلعت سمن بر سبھدرا
سبھدرا نمک ہے صباحت میں جسکی
سبھدرا شکر ہے ملاحت میں جسکی
ہوئیں چار ارجن سے ناگاہ آنکھیں
پکارا کیا دیر تک "واہ آنکھیں"
اسے نیم بسمل نے مُڑ مُڑ کے دیکھا
پری کو خیالوں نے اُڑ اُڑ کے دیکھا
غرض ایک دِن ہجر کی رات جاگا
دمِ صبح لے کر سبھدرا کو بھاگا

ہوا مُشتعل سُن کے سارا قبیلہ
چُھڑا لائیں کرنے لگے مِل کے حیلہ
اقارب تھے اک سمت شمشیر تولے
یہ رنگِ غضب دیکھکر شام بولے
عُداوت یہ تُم نے کہاں کی نکالی
سبھدرا بھی ذیجاہ ارجن بھی عالی"
بُلایا طبیعت کی مانند آیا
سبھدرا کو ناوک فگن ساتھ لایا
وُہ کرنے لگے مِل کے سامان شادی
کنہیا نے عشرت کی محفل جمادی
دِلوں کو کدورت سے محفوظ رکھا
اخوّت کو ہر حال ملحوظ رکھا

سوئمبر میں جب لوگ ارجن سے بگڑے
برہمن سمجھ کر برہمن سے بگڑے
تھی پائے جرئی میں پڑی چشم باہی
خطرناک سکتے میں دربار شاہی
درو پد کی بیٹی پسر برہمن کا
تصوّر سے خوں کھولتا تھا کرن کا
کنہیا نہ ہوتے تو اک جنگ ہوتی
جماعت درندوں کی بھی دنگ ہوتی
وہیں ایک تقریر کی فاضلانہ
کہا۔ بھیس میں تم نے اسکو نہ جانا
یہ ارجن ہے پہلے علامت تو دیکھو
یہ چتون یہ سینہ یہ قامت تو دیکھو"

یدھشٹر کا عہدِ حکومت جب آیا
ہُوا فرق پر چترِ شاہی کا سایا
کہا شام نے از رہِ خیر خواہی
"شہنشاہ ہیں۔ کیجئے جشنِ شاہی"
جراسندھ اِس راہ میں ایک سد تھا
اُسے شاہ سے دُشمنی تھی حسد تھا
لڑائی ہُوئی بھیم کی بد گہر سے
وُہ مارا گیا پنجۂ شیرِ نر سے
کئے قید خانوں سے آزاد راجے
دل افگار، مرہُونِ بیداد راجے
صَفِ غم کو صبحِ طرب نے لپیٹا
مقرر ہُوا جانشیں اُس کا بیٹا

بُلائے گئے جشنِ شاہی پہ راجے
درون اور بھیشم بھی یگ میں براجے
تحائف کی تقسیم کا دِن جب آیا
کنہیا کی تعظیم کا دِن جب آیا
صدارت کی تحریک راجوں کی محفل
تھی محفل میں شعلہ مزاجوں کی محفل
"بزرگوں کی مجلس میں جو بہتریں ہو"
"ہوا طے بالآخر" وُہ مسند نشیں ہو"
نگاہیں اُٹھیں دفعتاً دائیں بائیں
گلوں میں رُکی تتلیاں پھڑپھڑائیں
خیالات میں آگیا ایک سلوٹ
سمندر میں گھڑیال نے لی ہو کروٹ

ششوپال غصے سے مجنوں ہُوا ہے
نگہ آتشیں، دیدہ پُر خُون ہُوا ہے
اُٹھاتا ہے گُرز اور دکھاتا ہے جمدھر
وُہ غصّے میں یُوں آزماتا ہے جمدھر
ہے پرخاش ناحق صدارت سے اُس کو
بزرگوں نے روکا شرارت سے اُس کو
اُٹھے۔ زیرِ لب مُسکراتے کنہیا
سیہ رُو پہ بجلی گراتے کنہیا
کچھ اِس زور سے اس کا پنجہ مروڑا
لٹایا نہ قدموں میں جبتک نہ چھوڑا
تھی تذلیل کی سخت اس کو ضرورت
وُہ مجلس میں بیٹھا طبیعت کی صُورت

ہُوئے کامراں مکر و حیلہ کے بانی
یُدھشٹر کی سب جیت لی راجدہانی
سُنا جب کنہیا نے غم کا فسانہ
بُہت دِل میں کوسا اُنہیں غائبانہ
ملے اور گرفتارِ آلام دیکھا
کہا "صحبتِ بد کا انجام دیکھا"؟
گھسیٹی گئی گیسوئے عنبریں سے
یہ برتاؤ محبُوبۂ نازنیں سے"؟
وُہ بولی "دریودھن کو مُجھ سے حسد ہے"
"دروپد کی بیٹی ہوں وقتِ مدد ہے"
تلطّف سے فرمایا "ہمراہ ہیں ہم"
مصیبت زدوں کے بہی خواہ ہیں ہم"

ہُوئے مجتمع خیر اندیش راجے
مددگار، حامی، وفاکیش راجے
کرشن اور بلرام مجلس میں آئے
معاون یُدھشٹر کے تشریف لائے
یُدھشٹر پہ جلسے میں تحسین بھیجی
درُودھن کی چالوں پہ نفرین بھیجی
کہ اب تک علاقہ دبائے ہوئے ہے
بدستور فتنہ اُٹھائے ہوئے ہے
درودھن کو آ کر کہا مخبروں نے
"لڑائی کی ٹھانی ہے زور آوروں نے"
ستمگر مشوش ہُوا اور پہنچا
کنہیا کی خدمت میں فی الفور پہنچا

دُرودھن کو اُن سے ہُوئی فوج حاصل
شجاعت کے دریا کی اک مَوج حاصل
گھنیشام، ارجن کے حِصّے میں آیا
اسدُ مُژدۂ فتح ہمراہ لایا
درُودھن کہ تھا وُہ شقاوت کا بانی
شرارت کا مُوجد عداوت کا بانی
گھنیشام بھی آئے لیکر سفارت
گئیں کوششیں لیکن اُن کی اکارت
پدر کی سفارش نہ واں کام آئی
خباثت نہ مادر کو خاطر میں لائی
لڑائی پہ آمادہ بیداد گر تھا
بد اندیش انجام سے بیخبر تھا

کئی ایک فرسنگ میں ہیں سپاہی
بلا عرصۂ جنگ میں ہیں سپاہی
سوار اور پیدل کی دیوار حائل
ہے نیزہ مزاحم ہے تلوار حائل
ہے ڈھالوں کا ابرِ سیہ گھر کے آیا
اندھیرا سا ہے ہر طرف رَن میں چھایا
جو بھڑتے ہیں خنجر تو جھڑتے ہیں شعلے
معاً سینکڑوں ٹوٹ پڑتے ہیں شعلے
اثر آتشیں ہے یہ جوشِ دغا کا
نفس اژدہے کا ہے جھونکا ہَوا کا
سمندر درندوں کا لہرا رہا ہے
نظر کو بہائے لئے جا رہا ہے

ہے جنگاہ میں پانچ شیروں کی آمد
شجاعوں کی آمد، دلیروں کی آمد
کماندار آئے ہیں کس شان کے ساتھ
ہیں میدان کے مرد، میدان کیساتھ
نمایاں ہے کیا بھیم کا سرو قامت
نکلسین کی دیو پیکر جسامت
وہ سہدیو ہے جو کہ چیں بر جبیں ہے
کہ پیش نظر مجمع اہل کیں ہے
یدھشٹر الگ اور خاموش سے ہیں
وہ ارجن ہیں رن میں جو خوشپوش سے ہیں
کنہیا کا سب سے جدا بانکپن ہے
صنم آج مقتل میں جلوہ فگن ہے

لگی چوٹ ناگاہ طبلِ وَغا پر
مُسلط ہُوا رُعب اہلِ دغا پر
پِتا ما کی آنکھوں سے جاری تھے آنسو
اثر کی رگ و پے میں ساری تھے آنسو
لبوں سے سُنائیُ جو دیتا تھا اُف اُف
گرو ملتے جاتے تھے دستِ تاسف
اِدھر سے جو آتا دکھائیُ دیا رتھ
ہُوا غل کہ لو رَن میں آتا ہے پارتھ
وُہ ہمراہ ہیں آج ناوک فگن کے
جو تنہا ہیں گویا کئی لاکھ من کے
درودھن کی ہستی ہی کیا؟ جو لڑیگا
وُہ ہٹ جائیگا جنگ میں گر اڑے گا

قریب آ کے دیکھا جو اربابِ کیں کو
یگانوں کے اُن دیدۂ خشمگیں کو
جہنّم کے چشمے اُبلتے تھے جن سے
کنہیا سے کی عرض "جنگ اور اِن سے؟
مجھے بادشاہی گوارا نہیں ہے
کوئی بھائیوں سے پیارا نہیں ہے
اخوّت کا رشتہ نہیں ٹوٹ سکتا
محبّت کا دامن نہیں چھوٹ سکتا
دردن اور بھیشم سے جنگ آزما ہوں
بڑا بے ادب ہوں بڑا پُر دغا ہوں
لڑائی میں انسانیت کا زیاں ہے
یہ ترکش ہے، یہ تیر ہیں، یہ کماں ہے"

ہُوئی مُشتہر داستانِ اخوّت
کہا سب نے ارجن ہے جانِ اخوت
بشر ہے یہ طینت میں نیکی بھری ہے
سرشت اِس کی حرص و ہَوا سے بَری ہے
جری، صف شکن، شیر افگن، جوانمرد
وفا کیش، خوش طبع، غمخوار، ہمدرد
جواب اِس کا ہندوستاں میں نہیں ہے
مثال اِس کی سارے جہاں میں نہیں ہے
عداوت کی آتش پہ اسپند ہوگا
وغا پر نہ لیکن رضامند ہوگا
وُہ کہتا ہے۔ مجھ سے نہ یہ پاپ ہونگے
مقابل مرے بھائی اور باپ ہونگے

کھڑا تھا وُہ جنگاہ میں ہاتھ خالی
گھنیشام بولے، "یہ روبہ خصالی؟
شجاعت کو بدنام تُو نے کیا ہے
لڑائی کے موقعہ پہ دھوکا دیا ہے
تجھے طعنہ دیتے ہیں ترلوک ارجن،
سُنا بھی ہے کچھ تو نے ڈرپوک ارجن؟
تُو جاتا نہیں۔ وُہ بلاتے ہیں رَن میں
کھڑے سب تمسخر اُڑاتے ہیں رَن میں
یہ بھائی نہیں سانپ ہیں آستیں کے
بداندیش، نا اہل، بودے! کہیں کے
انہیں حکم دے تاکہ اُڑ جائیں پاؤں
شجاعت کے سینے میں گڑ جائیں پاؤں

ستم کیش! یہ خیر خواہی نہیں ہے
حقیقت یہ ہے تو سپاہی نہیں ہے
سپاہی وُہ ہے جو فرائض کو جانے
نہ اُلفت، تقدّس، اخوّت کو مانے

لڑائی عبادت ہے ہر سُورما کی
لڑائی میں حِکمت ہے پرماتما کی
لڑائی سے جو بھاگتا ہے لعیں ہے
وُہ دُنیا میں عزت کے قابل نہیں ہے
نظامِ جہاں کی ہے ضامن لڑائی
لڑائی کی مدحت سرا ہے خدائی
لڑائی سے ہے امن کا بول بالا
لڑائی ہے ظلمت کدوں کی اُجالا

محبّت کے معدن اخوّت کے مخزن
وفا، بُردباری، مروّت کے مخزن
جہاں کی ہر اک چیز ہے آنی جانی
یہ فانی ہے، مٹّی، ہَوا، آگ، پانی
وُہ ڈھے جائیگی جو عمارت بنی ہے
بہارِ گلستاں مگر رفتنی ہے
بشر کے جَسَد کو فنا کا ہے خطرہ
وُہ سُورج کے آگے ہے شبنم کا قطرہ
رَہِ موت پر گامزن زندگی ہے
یہ ہستی، شرارے کی تابندگی ہے
اجل سے مفر غیر ممکن ہے ارجن
مُعیّن یہاں موت کا دِن ہے ارجن

یہ رستے میں ہیں خاک کی ایک ڈھیری
اَجل اُن کی مَرہُونِ منت ہے تیری
عدُو کو بَداعمالیوں کی سزا دے
سرِ دشمناں ٹھوکروں سے اُڑا دے
شرابِ فنا تو پلائے گا ان کو
جسد کے ہیں قیدی چھُڑائے گا ان کو
بسر ہو چکی ہے، بسر کر چکے ہیں
تو زندہ سمجھتا ہے، یہ مر چکے ہیں
کماں کو اُٹھا جوڑ تیرِ قضا کو
چھُڑا قیدِ اجسام سے آتما کو
اسیرِ عناصر ہیں آزاد کر دے
عَدَم کو نئی راہ ایجاد کر دے

مسافر ہیں سب ۔ موت بانگِ جرس ہے
پئے رُوح، خاکی جَسَد اِک قفس ہے
بہانا ہے اِک دِن ہلاکت کی رَونے
کسی روز یہ ٹوٹتے ہیں کھلونے
بہُت زندگانی نے دھوکے دیئے ہیں
ظروفِ جَسَد ٹھوکروں کے لئے ہیں
قضا پر کہیں بس چلا ہے کسی کا؟
یہ دیکھا، کہ ہاتھ اور گلا ہے کسی کا
اکڑتے ہوئے زیرِ افلاک دیکھے
وہی بے خبر پھر تہِ خاک دیکھے!
بلا کا خطرناک رکھتی ہے پنجہ
جہاں میں ہے بدنام اِس کا شکنجہ

ہے پانی کا اِک بُلبلہ زندگانی
فقط ایک اَرواح ہیں غیر فانی
یہ آزاد ہیں موت کی دسترس سے
یہ آگاہ ہیں اُس کے خاکی قفس سے
یہ آتی نہیں ہے گرفتِ فنا میں
یہی فرق ہے جسم اور آتما میں
ٹھٹھرتی نہیں ہے پگھلتی نہیں ہے
یہ سڑتی نہیں اور گلتی نہیں ہے
کوئی تیغ سے کاٹ سکتا نہیں ہے
اِس الماس کو چاٹ سکتا نہیں ہے
خزاں کا جو شاکی نہیں پھول ہے وہ
فنا کی غرض آنکھ میں دُھول ہے وہ

عناں گیرِ فطرت ہیں افعالِ انساں
ہیں پابند و مجبور اعمالِ انساں
بغیر اس کے پتّا بھی ہلتا نہیں ہے
پتہ زندگانی کا ملتا نہیں ہے
زبانوں کی گویا زباں کھولتی ہے
کئی قسم کی بولیاں بولتی ہے
ہے ساری رگِ زیست میں خونِ فطرت
دو عالم کو پاتا ہوں مرہونِ فطرت
ستاروں میں اس کی درخشندگی ہے
فروغ آشنا اس سے تابندگی ہے
ہیں فطرت کی آمیزشیں رنگ و بو میں
ہے فطرت کی مے زندگی کے سبو میں

جو دُنیا میں تم شاد خاطر رہو گے
تو اک روز انعام پا کر رہو گے
ہے بغض و حسد کام اگیانیوں کا
ہلاکت ہے انجام اگیانیوں کا
ہمیشہ جن اشخاص میں لوبھ دیکھا
سروں پر خطاؤں کا اک بوجھ دیکھا
بسر کی یہاں جس نے انسانیت سے
وہ کوسوں رہا دُور نفسانیت سے
سمجھ کر جو فطرت کے محکوم ہو تم
نہ مسرور ہو تم نہ مغموم ہو تم
فرائض ادا ہوں خوش اسلوبیوں سے
ہو پہچان انسان کی خوبیوں سے

لباسِ بشر میں ہوں پہچان ارجن
ترے روبرو ہے وُہ بھگوان ارجن
یہاں نت نئے روپ میں جلوہ زا ہُوں
مری بے نیازی ہے، پرماتما ہُوں
مجھے عرشِ اعظم سے لاتے ہیں نالے
مَیں جب جا بہ جا ڈھونڈھ پاتے ہیں نالے
میں آتا رہا ہُوں، مَیں آتا رہُوں گا
شرارت کو نیچا دکھاتا رہُوں گا
رعایا پہ جب ظُلم کرتے ہیں راجے
ضروری ہے وُہ اس گھڑی خود براجے
مُسبّب ہوں جن کا وُہ اسباب تُو ہے
اجل جس کی تعبیر وُہ خواب تُو ہے"

کمانڈار نے سُن کے ارشادِ عالی
کماں اُن کے قدموں سے جھک کر اُٹھالی
اُدھر فوج کے شوربیدوں کو دیکھا
اِدھر گرد آلود تیروں کو دیکھا
کیا خوف محسوس اہلِ جدل نے
لگی رنگ چشمِ اخوت بدلنے
بگڑتا ہُوا شیر ناگاہ دیکھا
بپھرتا ہُوا حسبِ دلخواہ دیکھا
درون اور بھیشم نے سرد آہ کھینچی
ردائے اثر پر چلی ایک قینچی
اسدِ نیستانِ شجاعت سے گونجا
درندہ نکل کر جماعت سے گونجا

یدھشٹر بڑھا فوجِ اعدا کی جانب
وردن اور بھیشم پتاما کی جانب
جری سے "خبردار" انہوں نے پکارا
کہ خدمت میں آتا ہے خادم ہمارا؟
ورُود اس کا با قلب ناخواستہ ہے
سچائی کے حربے سے آراستہ ہے
گیا اور کی عرض "اِذنِ وغا دیں
بزرگ اور عالی ہیں مجھ کو دُعا دیں
ذلیل اور رُسوا ہوں دُشمن ہمارے"
نگاہوں میں کچھ مُسکرائے اشارے
وُہ بولے "ظفر لے بلائیں تمہاری
الٰہی! مُرادیں بر آئیں تمہاری"

پھر اکبار اعدا سے ارجن پکارا
کہو مجھ سے کیا ہے ارادہ تمہارا؟
ہمارے حقوق اب بھی تسلیم کرلو
برابر علاقوں کو تقسیم کرلو
جو ترکش کی بانبی کا مُنہہ کھول دُونگا
ہوا کے تھپیڑوں میں بس گھول دونگا
پھر اکبار سوچو لڑائی سے پہلے
بھلائی کے بعد اور بُرائی سے پہلے
ہلاکت نتیجہ ہے خود ریزیوں کا
تباہی صلہ ہے شر انگیزیوں کا
شرارت کے ہاتھوں تبہ حال ہو گے
سرافراز بنتے ہو، پامال ہو گے

ہمارا مسلّط ہے رُعبِ جلالت
ہماری مُسلّم ہے تیغِ بسالت
جواب اُن کا لبریزِ غیظ و غضب تھا
درودھن کا لشکر مبارز طلب تھا
کہا سخت بد ہے جبلّت تمہاری
لڑائی میں رکھی ہے ذِلّت تمہاری
کماندار نے تیر ترکش سے چھانٹا
کیا رُوئے اعدا نے محسوس چانٹا
شغالوں کو ضرغام سے بیمِ جاں ہے
زمیں رَن کی اُن کے لئے نیستاں ہے
تو سینہ سپر ہو کے آئے پتا ما
جو ارجن جھکا مسکرائے ہیں شاما

شکھنڈی کی لیتا ہُوا اوٹ ارجن
چھپاتا ہُوا دِل میں سو کھوٹ ارجن
پتاما کو مجروح کرتا ہے دیکھو!
اولوالعزم دھوکے سے مرتا ہے دیکھو

وُہ تیروں کی بارش وہ بھیشم کا سینہ
وُہ افعی وُہ نقدِ وفا کا خزینہ
ستونِ شجاعت کی صُورت گرا ہے
بدن چُور، زخموں سے ہے اور کھڑا ہے

لو ہونے لگی تاب و طاقت روانہ
لو بیہوش ہوتا ہے مردِ توانا
وُہ تیروں کے بستر پہ راحت طلب ہیں
اشاروں میں کہتے ہیں ہم تشنہ لب ہیں

سُنا جس نے خیمہ سے لے آیا چھاگل
وہیں سے پلٹ کر اُٹھا لایا چھاگل
پیالوں کو لے کر جُھکے ہیں سپاہی
کہ مُلکِ عدم کا پیاسا ہے راہی
یہ سب دیکھکر پہلے دزدیدگی سے
درو دہن سے بولے وُہ رنجیدگی سے
مِری تشنگی کو بُجھائے گا ارجن
پیوں گا جو پانی پلائے گا ارجن
شگوفہ وُہ نخلِ شجاعت سے پھُوٹا
فوارہ وُہ تیرِ کرامت سے چھُوٹا
کہ تفتہ جگر، تشنہ آب بھیشم
ہُوئے آپ سے آپ سیراب بھیشم

برستی ہے ہیبت یہ کون آرہا ہے
وُہ دیکھو تو شاید درون آرہا ہے
رکابوں کو جاہ وحشم چومتے ہیں
شجاعت کے نشے میں کیا جھومتے ہیں

ہزاروں میں ایسا دلاور نہ ہوگا
گرُو سا درُودھن کا یاور نہ ہوگا
بڑھاپا ہے گرچہ جوانی نہیں ہے
یہ وُہ شیر ہے جس کا ثانی نہیں ہے
نجابت کا اظہار ہے تیوروں سے
مُزیّن ہے اخلاق کے زیوروں سے
نمک اُس کا کھایا ہے مجبُور ہیں یہ
لڑائی کے بارے میں معذور ہیں یہ

عداوت کے بلوے میں ارجن گھرا ہے
بُری طرح سے ناوک افگن گھرا ہے
عَلَم ہونے والی دو دستی ہیں تیغیں
نہتّے کے تن پر برستی ہیں تیغیں
قضا سر پہ ارجن کے منڈلا رہی ہے
یہ کیا آج تقدیر دکھلا رہی ہے
بُری طرح ابھمینو خشمگیں ہے
عیاں ہے کہ تابِ تحمّل نہیں ہے
یُدھشٹر سے کہتا ہے:۔ اِذن دے دو
کماں پیش کرتا ہوں۔ چِلّا چڑھا دو
شجاعت ہے ہمرہ۔ اکیلا نہیں ہوں
مَیں کس وقت تیروں سے کھیلا نہیں ہوں

مری کم سنی پر نہ سرکار جائیں
مرے بچپنے کو نہ خاطر میں لائیں
سبھدرا کا مشہور لختِ جگر ہوں
میں ارجن سے لشکر شکن کا پسر ہوں
میں صف ہائے لشکر کو ہوں کاٹ سکتا
میں لاشوں سے میداں کو ہوں پاٹ سکتا
مری ضیغمستانیوں میں تنا ہے
مری آنکھ میں گردشِ آسیا ہے
ملاؤں غضب کی نگہ میں ڈالوں
طمانچے کے خطرے سے ہاتھی گرا لوں
سوا دھوپ سے غیظ کی ہے تمازت
لڑائی کی اب دیجئے گا اجازت"

وُہ بے اِذن صف ہائے دُشمن میں پہنچا
بہادُر گرجتا ہُوا رَن میں پہنچا
کئے پیہم ابھمنیو نے وُہ حملے
عدو کو نہ دِی اِتنی مہلت کہ دم لے
کہ ناگاہ تیغِ جفا سر پہ چمکی
زرہ پر وُہ آئی جو مغفر پہ چمکی
بغیظ و غضب آستیں کو اُلٹ کے
جو ارجن نے اعدا میں دیکھا پلٹ کے
تڑپتی ہُوئی لاش بیٹے کی پائی
یہ منظر ہے اور مجتمع ہیں دغائی
تعلّی سے کہتے ہیں "دھمکی ہے بیجا
نہ دیں گے۔ مگر چھین کر ہم سے لیجا"

یدھشٹر، نکل، بھیم، سہدیو، ارجن
ہیں میدان میں تشنۂ خونِ دشمن
گرو ایک حلقہ بنائے ہوئے ہے
وہ یوں جیدرتھ کو چھپائے ہوئے ہے
کھڑا ہے ہزبرِ وغا تن کے آگے
نکلتا نہیں صید ارجن کے آگے
گرو سے تقاضا ہے قاتل کو بھیجو
پئے جنگ مدِ مقابل کو بھیجو
غروب آفتاب آج مشکل سے ہوگا
جو ہوگا تو بس مرگِ قاتل سے ہوگا
شفق آج پھولے گی اُسکے لہو سے
بجھائی ہے پیاس آج خونِ عدو سے

مَیں یوُں اُلٹی گنگا کو بہنے نہ دُونگا
یقیناً اُسے زندہ رہنے نہ دُوں گا"

کہاں تک چھپاؤ گے بدکیش کو تم
بدانجام، بدبیں، بداندیش کو تم"
ہُوا طے کہ سُورج نہ چھپ جائے جبتک
یہ سطحِ فلک پر نظر آئے جبتک
حوادث کے تیروں کی زد سے بچائیں
خطاگر کو قہرِ صمد سے بچائیں

پسِ پردۂ ابر، خورشید آیا
جُونہی چرخ پر کچھ اندھیرا سا چھایا
وُہ سُورج کے چھُپنے کا ہنگام سمجھے
کنہیا کے اعجاز کو شام سمجھے

کھڑا جھانکتا تھا جھروکے سے قاتل
اُتر آیا میداں میں دھر کے سے قاتل
وُہ ارجن کو دینے نہ پایا تھا جھڑکی
کھُلی چرخِ نیلی پہ بادل کی کھِڑکی
چمکنے لگی قرصِ خورشیدِ تاباں
عدُو رہ گئے مثلِ آئینہ حیراں
سِہامِ اجل کا نشانہ تھا قاتل
جہنّم کی جانب روانہ تھا قاتل
ستم گر تھے کیا کیا پشیمان دِل میں
دھرے رہ گئے دل کے ارمان دِل میں
بگڑتے تھے بنتے تھے چلتے تھے دُشمن
کھڑے دستِ افسوس ملتے تھے دشمن

ہزاروں کی تعداد میں سُورما ہیں
جو کل کی طرح آج جنگ آزما ہیں
کمانوں سے تیرِ اجل تَن سے نکلے
سروں کو پروتے ہُوئے رَن سے نکلے
صفیں ہیں کہ گنجِ شہیداں بنی ہیں
بچے ہیں جو وُہ بھی غرض کُشتنی ہیں
گرُو کے جلو میں کِرن سے ہیں چیلے
غضب جِن کے دَھاوے ستم جنکے ریلے
درُونا کی ہیبت کے چھائے ہیں بادل
تباہی کے کیا گھِر کے آئے ہیں بادل
اشاروں میں فرما چکے تھے یہ شاما
اُڑادی کہ مارا گیا اشوتھاما

تھی اُن کے لئے مرگِ دشمن نرالی
کہا رو کے "بیٹے کا اللہ والی"
حقیقت سے آگہ تھے پانڈوں کے ساتھی
تھا ہمنام چونکہ یہ مقتول ہاتھی
گرُو نے یہ سمجھا۔ ہُوا قتل پیارا
وُہ نورِ نظر میری آنکھوں کا تارا
کماں پھینک ترکش اُلٹ خوب روئے
ہُوا گُم جو یوسف تو یعقوب روئے
ہے غم میں گھری جانِ مضطر اکیلی
درونا سے پانڈوں نے کیا چال کھیلی
ہُوا پیش سو بار جام شہادت
پیا آخر کار جامِ شہادت

وُہی دشمنوں کی صَف آرائیاں ہیں
وُہی دَشت کی رُوح فرسائیاں ہیں
یہ پیہم صدائیں نکلتی ہیں دَف سے
کِرن آ رہا ہے درُودن کی صَف سے
کہا گوشِ ارجن میں جُھک کر کماں نے
وُہ گھوڑے پہ کی جَست شیرِ ژیاں نے
جواں دَشت میں قابلِ دید نکلا
جوانی کے گردوں پہ خورشید نکلا
شجاعت ہے چینِ جبینِ تہوّر
غضب، داغکِ آستینِ تہوّر
اُٹھیں پیشوائی کو شمشیر لاکھوں
پئے خیر مَقدَم چلے تیر لاکھوں

کرشمے شجاعت کے دکھلائیں گے کیا
پہاڑ آج آپس میں ٹکرائیں گے کیا
خطرناک میدان کی جنگ ہوگی
دلیروں میں گھمسان کی جنگ ہوگی
رتھوں میں غرض ہو گئے اسوار دونوں
مقابل ہوئے ہیں کماندار دونوں
سپہ منتظر تھی کہ کب جان چھوٹے
پھنکا سنکھ اور دفعتہ بان چھوٹے
شرر پاش تیروں سے تیروں کو روکا
پیامِ اجل کے سفیروں کو روکا
کہے جارہے ہیں خوش اسلوب شاباش
"یہ حصّہ ہے تیرا کرن! خوب! شاباش"

دلاور سے جب تک رہی جنگ جاری
کرن کو سراہا کئے وہ بہاری
کہ جس رتھ میں بھگوان خود جانشیں تھا
وہ تیروں کے صدموں سے قائم نہیں تھا
لڑائی میں ہر آن ہٹتا رہا رتھ
جو لگتے رہے بان ہٹتا رہا رتھ
وہ کہتے تھے ارجن سے "جبار دیکھا
کرن سا بھی کوئی جگردار دیکھا
اسے صحبتِ بد نے مارا ہے ارجن
وگرنہ لڑائی کا یارا ہے ارجن؟
جری بھی ہو، لشکر شکن بھی ہو گو تم
یہ ممکن نہیں ہے شکست اس کو دو تم"

کرن سوچ میں تھا کہ چلتا نہیں رتھ
رُکا ہے جو آگے نکلتا نہیں رتھ
لڑائی بھی زوروں پہ، خطرہ تھا جاں کا
بہت ہوشیاری سے نیچے کو جھانکا
یہ دیکھا کہ کیچڑ میں پہیہ پھنسا ہے
اور آدھے سے گویا زیادہ دھنسا ہے
وہ اُترا کہ گاڑی کو خود دیکھے بھالے
جھکا تھا کہ دلدل سے اُسکو نکالے
لڑائی سے فرصت نہ زنہار پائی
اگرچہ بہت دی کرن نے دُہائی
نہ سنبھلا گیا اُس سے کھائی وہ ٹھوکر
غرض چل بسا، سخت مجروح ہوکر

دریودھن کو ارجن بلاتا ہے رن میں
بھگوڑا خوشی سے کب آتا ہے رن میں
اسد سے شکارِ زبوں چھپ گیا ہے
وہ گویا کہ عنقا تھا یوں چھپ گیا ہے
اسے بھیم نے جا بجا رن میں ڈھونڈھا
بد اعمال کو دور تک بن میں ڈھونڈھا
کہا مخبروں نے اسیرِ محن ہے
جفا پیشہ، تالاب میں غوطہ زن ہے"
گئے اور اس کو وہاں سے نکالا
لگایا وہ گرزِ گراں مار ڈالا
کچھاروں کے ضیغم نیستاں کو لوٹے
شرابی، وطن کے خمستاں کو لوٹے

دُرودھن کے ماتم میں نالہ کناں ہے
دھرت راشٹر گرمِ آہ و فغاں ہے

وُہ بیوی کے ہمراہ مقتل میں آیا
یگانوں کی لاشوں کے جنگل میں آیا

بدافعال، بدبخت، قسمت کے ہیٹے
پرخچوں میں تھے منقسم اس کے بیٹے

زرہ پارہ پارہ تھی مغفر ندارد
کہیں جسم ٹکڑے، کہیں سر ندارد

کہاں ہو کتابِ محبّت کے پارو!
کدھر ہو مجھ اندھے کی آنکھوں کے تارو!

وُہ ایک ایک کا نام لیکر پکارا
وُہ کرتا تھا نالہ کہ چلتا تھا آرا

دُرُودھن کو جنگل میں ڈھونڈھا نہ پایا
مُصر جب ہُوئے بھیم نے تب بتایا
کہ بِکھرے ہُوئے پارہ ہائے جَسد ہیں
اور اس پہ وُہ تعداد میں بے عَدد ہیں
بہُت مَرگِ دشمن پہ کی آہ و زاری
بہُت دِل کو حَاصِل ہُوئی بیقراری
وہاں سے چلے صبر کا جام پی کر
رکھا آخرِ کار ہونٹوں کو سی کر
ہُوئی کَمْ غم کی دَرانتی کچھُ ایسی
وُہ حالت نہ تھی اب کہ پہلے تھی جیسی
قوانینِ قدرت کا قائل ہؤا تھا
چچا اب بھتیجوں پہ مائل ہؤا تھا

یدھشٹر المناک ہے واقعہ سے
جگر شیر کا چاک ہے واقعہ سے
وُہ دیتے ہیں۔ لیتا نہیں بادشاہی
اودھر جبر ہے اور اِدھر عُذر خواہی
دھرت راشٹر تاج لیکر کھڑا ہے
یدھشٹر مگر اپنی ضد پر اَڑا ہے
تپ غم سے آنکھوں میں چھالے ہیں آنسو
مژہ نے وہیں بیدھ ڈالے ہیں آنسو
عجب موتیوں کی ہے تیار مالا
جپے گا نہ جائے گی بیکار مالا
گھنے جنگلوں میں بسرا اسکی ہوگی
یدھشٹر کی خواہش ہے۔ بنجاؤں یوگی

کنہیا کی جادو بھری چند باتیں
اسے کر گئیں بس رضامند باتیں
یہ انداز محفل میں تھا گفتگو کا
معاً منہ کہیں کھل گیا ہو سبو کا
تبسّم میں تقدیس کی وہ گھلاوٹ
تخیّل میں الفاظ کی وہ سجاوٹ
تسلسل کی خوبی وہ زورِ بیاں میں
کہ لہروں کے لچھّے ہوں آبِ رواں میں
فصیح و بلیغ آج سر دھن رہے ہیں
کنہیا کی آواز کو سن رہے ہیں
کہا شکر بھگوان کا کفر ٹوٹا
ہٹیلے سے اوہام کا ساتھ چھوٹا

یُدھشٹر کا دل تھا کنہیا کے بس میں
ہوئیں پھر ادا تاجپوشی کی رسمیں
بصد احتشام و تزک تاج پہنا
وُہ دربار کی رونقیں کیا ہی کہنا
مبارک سلامت مُغنّی نے گائی
بہت شاعروں نے کی مدحت سرائی
یُدھشٹر کی مرضی تھی خود شام بانٹے
کنہیا نے انعام و اکرام بانٹے
غریبی نوازی گئی مال و زر سے
فقیری پہ ابر کرم بن کے برسے
یُدھشٹر کی قائم ہوئی راجدھانی
ہُوا دُودھ کا دُودھ پانی کا پانی

اِدھر دَوارکا وُہ سجائی گئی ہے
دُلھن ہے کہ پھُولوں لسائی گئی ہے
غرض ہستناپُور سے چل پڑے وو
وطن میں کنہیا کی آمد ہوئی لو
کنہیا بھی خوش ہے رعایا بھی خوش ہے
جو شاداں ہے اپنا پرایا بھی خوش ہے
سخاوت کا پھیلا ہے گردوں پہ شُہرہ
گھنشام کے گیت گاتی ہے زُہرہ
مُسلّط عدَالت کا ڈر دیکھتے ہیں
کہ ہر راہزن راہبر دیکھتے ہیں
پلنگوں کے ہمدوش گائے کھڑی ہے
درندوں کے ہمسائے میں لومڑی ہے

سداماں کہ مشہور قلاش تھا وہ
کنہیا کا اِک یارِ خوش باش تھا وہ
سوال اُس کے ہونٹوں سے ناآشنا تھا
وُہ خوددار بس نام کو جی رہا تھا
وُہ کہتا تھا رزّاق جب وُہ خدا ہے
مَیں غیروں سے مانگوں یہ میری خطا ہے
یہ بندہ تو گھر بَیٹھ کر اُس سے لے گا
بضد کہہ رہا ہُوں یقیناً وُہ دیگا
یہ بیوی کو ہاتھ آیا اِک دن بہانہ
کنہیا کہ ہیں آج شاہِ زمانہ
اگر آپ کچھ ہاتھ پاؤں ہلائیں
وہاں سے یقیں ہے کہ اِنعام پائیں

چلا ہو کے مجروح طعنہ زنی سے
مُلاقی ہُوا دوارکا میں گھنی سے
سنگھاسن پہ بٹھلایا ہمراہ اُس کو
نوازا گیا حسبِ دلخواہ اُس کو
مہینوں رہا عیش و آرام سے وُہ
اجازت کا طالب ہُوا شام سے وُہ
سدا ماں کی تھی قابلِ دیدِ رخصت
کِیا بھر کے دامانِ امیدِ رُخصت
وطن کا یہ بدلہ ہُوا طَور دیکھا
کہ نقشہ وہاں اَور کا اَور دیکھا
جہاں ٹوٹی پھُوٹی کبھی جھونپڑی تھی
وہاں شاندار اِک عمارت کھڑی تھی

پکارا، یہ گھر کِس کا ہے، کچھ خبر ہے؟
سداماں سے بولے، "سداماں کا گھر ہے"
وہ سمجھا، کہ مخلوق بڑ ہانکتی ہے
دریچہ، دریچہ، خوشی جھانکتی ہے
مسرت میں ڈوبا ہوُا گھر ہے سارا
مقدّر کا چمکا ہوُا ہے ستارا
جونہی اُس نے رکھا قدم در کے اندر
مِلا بیوی بچّوں سے وہ گھر کے اندر
سداماں کی گردن عفیفہ کی باہیں
وہ بچّوں کی شفقت کی بھوکی نگاہیں
کہا۔ دیکھ! دیتا ہے پرماتما یوُں
غریبی کا ہوتا ہے بس خاتمہ یوُں

یدھشٹر کی جانب سے مکتوب آیا
کنہیا کو جشنِ فرس پر بُلایا
بہاری کے ہمراہ بلرام پہنچے
جونہی ہستناپور میں شام پہنچے
یہ دیکھا کہ ماتم محل میں بپا ہے
دَفِ غم سے قصرِ فلک گونجتا ہے
سبھدرا پریشاں ہے پوتے کے غم میں
تمام اہلِ خانہ گھرے ہیں اَلَم میں
پر ان اس نے چھوڑے ہیں سب رو رہے ہیں
غمِ مرگ سے نیم جاں ہو رہے ہیں
عزیز و اقارب بہاتے ہیں آنسو
ستاروں سے آنکھیں لڑاتے ہیں آنسو

بضد کہہ رہے ہیں اسے زندہ کیجے
وہ فرما رہے ہیں "نہ شرمندہ کیجے"
بہن کہہ رہی ہے "چھپاؤ نہ صاحب
سبھدرا کو اور اب رلاؤ نہ صاحب
تری بانسری کی "حیات" ایک لَے ہے
ترے پاس اعجاز بخش ایک شے ہے
کہ رُک جائیں دریا، ٹھہر جائے پانی
سُروں سے ہے مربوط آکاش بانی
رُلا دے، ہنسا دے، رُلا دے
مٹا دے، جِلا دے، جِلا دے، مٹا دے
ہے سحرِ بلال آج آواز اس کی!
ہے خود اس کی تاثیر غمّاز اس کی"

سبھدرا نے ڈالی ہے قدموں میں میّت
مُصِر ہو رہی ہے بصد حُسنِ نیّت
معاً کوندی برقِ جہانِ تبسّم
عیاں ارتعاشِ لبی سے ہُوا "قُم"
سُنائی دیا خندۂ گُل کفن میں
ہوئی گویا رُوح داخل بدن میں
کچھ اِس لحن میں بانسری کو بجایا
کہ مرحُوم کو یک بیک زندہ پایا
ہُوئے سخت معجز نمائی سے رُسوا
خدا ہو رہا تھا خدائی سے رُسوا
ہُوا مُنکشف یار بہروپیا ہے
وُہ بھگوان بھی ایک ہرجائیا ہے

اُٹھے پردہ ہائے دُوئی سب نظر سے
نگہ کی زراعت پہ وُہ خُوب برسے
تصوّر کدے میں کبھی شب بسر کی
وہیں کھُل گئی آنکھ چشمِ بشر کی
زبانوں پہ جاری تھا بس تُو ہی تُو ہے
ترا جلوہ آفاق میں چار سُو ہے
بھگت منتظر راستوں میں کھڑے ہیں
کھڑے ہیں کھڑے ہیں پڑے ہیں پڑے ہیں
کہیں اُن سے دامن چھُڑا کر جو بھاگے
پکارا کئے شور داس اُن کے آگے
کہ یُوں ہم سے سو کوس پر بھاگ جاؤ
جری ہو تو دل سے نکل کر دکھاؤ

اُٹھی ظلم و جور و جفا کی حکومت
مِٹی صفحۂ دہر سے سب خصومت
یتیموں کی ہونے لگی اشک شوئی
رہا خدشۂ زندگی جب نہ کوئی
بھرا تھا بشر کا جو بہروپ اُس نے
اب اصلی دکھایا ہمیں رُوپ اُس نے
وُہ بندوں میں سچ مچ کا بھگوان نکلا
خدا شکل و صُورت میں انسان نکلا
ورُود اُس کا از بہرِ نظمِ جہاں تھا
کہ پھر لامکانی میں وُہ لامکاں تھا
شکاری کی سچی کہانی نہیں ہے
خداوند کی ذات فانی نہیں ہے

کتاب ہذا

زیر اہتمام ابو رضا عطاء اللہ پرنٹر ثنائی برقی پریس کٹرہ شیر سنگھ کہنہ روبروئے اسلامیہ ہائی سکول امرتسر چھپی

اور دفتر

نفیس بک ایجنسی

کوچہ سندھی خاں کوتوال امرتسر

سے شائع ہوئی

قیمت ایک روپیہ چار آنہ

ادب و تاریخ

بھیشم پرتگیا۔

دروپدی سوئمبر۔

گیتا۔

گرشیتر۔

شانتی پرب۔

نفیس خلیلی

التماس

شانتی پرب کا ضخیم باب اپنی ضخامت
کی وجہ سے اس کتاب سے علٰحدہ شائع
ہو رہا ہے ۔ چونکہ اس کا عنوان چھپ چکا
ہے۔ کتاب کی ظاہری جاذبیت کو ملحوظ رکھتے
ہوئے سرورق سے چھیلنا مناسب نہیں
سمجھا گیا ۔

مریاوا پرشوتم رام اور یوگی راج کرشن
اس سے پیشتر چھپ چکی ہیں۔ شانتی پرب
غالباً اس سلسلے کی آخری کڑی ہوگی ۔

ہ

داشتم ہر چہ نثارِ رہ یارے کردم
شادم از زندگیِ خویش کہ کارے کردم

نفیس خلیلی

بھیشم پرتگیا

حسینہ صحنِ گلشن میں کھڑی ہے
کہ شہزادے کے آنیکی گھڑی ہے

گلابی ہے یہ حسنِ انتظار آج
بہارِ باغ پر ہے اک بہار آج

یہ نورانی ہے آبِ ساغرِ گل
دکھائی دے رہا ہے عکسِ بلبل

گلوں کا تختہ، سوسن کی کیاری
نشاں بوسوں کے اور شکلیں پیاری

چمن فردوس کہئے تو بجا ہے
نہیں باغِ ارم تو اور کیا ہے

نہالِ شوق آخر لہلہایا
کلی نے پھول بنکر مسکرایا
سُنا گل نے یہ سوسن کی زبانی
کہ آئے شنتنو راجہ کے جانی

کہا لالے نے دل اسپر فدا ہے
اشارہ تھا کہ نرگس دیکھا کیا ہے
قدمبوسی کو ہر پودہ جُھکا ہے
ہجوم گُل یہ ہے، رستہ رُکا ہے

قریب آئے بہت افسردہ خاطر
ستمکش، پُر الم، پژمردہ خاطر

یہ زردی چھائی تھی سورج مکھی تھے
وہ لالے سے زیادہ کچھ دکھی تھے

بُتِ سنگیں ترشوایا گیا ہو
طلسموں سے نکھر لایا گیا ہو

شکستِ رنگِ عارض کی سحر ہے
مژہ پر اشک، شبنم خار پر ہے

ستم ہے یاس و حسرت میں ڈھلی آنکھ
سرشکِ غم سے ہے گنگا جلی آنکھ

نگاہیں مائلِ گفتار ہیں کچھ
یہ چھریاں تیر کچھ، تلوار ہیں کچھ

۷

ہمہ تن گوش حسنِ باوفا ہے

نہ سنوائے جو سننا چاہتا ہے

کہا "مجرم ہوں دیجے گا سزا کچھ"

کہا، "سمجھی نہیں ہوں مدعا کچھ"

کہا، "ہو آج سے ہمشیر میری

ہے تم سے آخری تقریر میری

ہیں ارمانوں بھرا اب دل نہیں ہوں

نہیں ہوں، پیار کے قابل نہیں ہوں"

کسی کے آہ! وہ دلگیر آنسو

تقدس کی ہیں اک تصویر آنسو

محبت کے عذارِ آتشیں پر
ستارے اور شفق کی ہوں جبیں پر
بچھا ہے پاک دامانی کا منظر
مہِ عصمت کی تابانی کا منظر
سرِ تسلیم ہمیشہ ہے کہ خم ہے
سعادت مند ہونا بھی ستم ہے

دروپدی سوئمبر

وہ آئی تصور کے سانچے میں ڈھل کر

حیا ہو گئی اک طرف ہاتھ مل کر

وہ آزاد، تشبیہ سے حسنِ قامت

صنوبر پہ آئی ہوئی ہے قیامت

اِن آنکھوں سے نسبت یہ ہر کیفیت کو

پیالوں میں نرگس پڑی تیرتی ہو

وہ جذبات کو رنگ ڈالا نظر نے

وہ بیساختہ چٹکیاں لیں جگر نے

دلِ زار پر بے خودی چھا گئی ہے
تمنّا کو انگڑائی سی آگئی ہے
یدھشٹر، نکل سین، سہدیو بھی ہیں
یہاں ارجن و بھیم سے گیو بھی ہیں
جوانوں نے محفل کو پوشیدہ دیکھا
نگاہوں نے اِک حُسنِ نادیدہ دیکھا
کنھیّا کا سب سے جُدا بانکپن ہے
یہ قاتل بھی محفل میں جلوہ فگن ہے

لبوں پر تبسم، عیاں ہو رہا ہے

نظارے پہ خنجر، رواں ہو رہا ہے

یہ وہ حُسن ہے جو کہ یکتا رہا ہے

خدا اہلِ محفل کو یاد آ رہا ہے

کماں دار، بیٹھے ہوئے جھُومتے ہیں

کماں کو کبھی تیر کو چومتے ہیں

سویمبر کی رسمِ کہن اب ادا ہو

ملا حکمِ شاہی کہ ہاں ابتدا ہو"

بڑے ناز سے قدر انداز اٹھے

بڑے فخر سے شعبدہ باز اٹھے

بڑھے تو دلِ زار نے دی گواہی

ہدف ہو سکے گی نہ یوں چشمِ ماہی

خطا ہو گئے جس قدر تیر چھوٹے

عجب سلسلہ ہائے تدبیر چھوٹے

درودھن، کرن اور شسوپال بھی تھے

وہاں ایسے ایسے بد افعال بھی تھے

بھری بزم ناکامیاب و حزیں ہے

بہادر کرن کو اجازت نہیں ہے

بپھرتا ہوا وہ بگڑ سا گیا کچھ

وہ سرکش سا ہو کر اکڑ سا گیا کچھ

قیامت کی خاموشیاں چھا رہی ہیں

پشیمانیاں نیند سی لا رہی ہیں

دروپد کا لختِ جگر طعنہ زن ہے

کہ یاں کس قدر قحطِ اربابِ فن ہے

بُرے وقت میں یاد آیا ہی ارجن

یہ سُنکر اِدھر مُسکرایا ہی ارجن

تھا بدلا ہُوا بھیس پہچانتا کون

یہ صورت ہو جب شیر کو جانتا کون

دروودھن کو ارجن نے شیرانہ دیکھا

عجب طنطنے سے شجاعانہ دیکھا

اٹھا اور دربارِ شاہی کو تاکا

تبسّم کیا چشمِ ماہی کو تاکا

خوش انداز کیا عکس پر جھک گیا ہے

کرن چاہتا تھا بڑھے رک گیا ہے

کماں پر وہ صیّاد نے تیر جوڑا

وہ دیکھو عقابِ شکاری کو چھوڑا

وہ آ کر گری پاؤں میں چشمِ ماہی

وہ گونج اٹھا نعروں سے دربارِ شاہی

کنھیا نے آغوش میں لے لیا ہے

ادھر جیت نے ہار پہنا دیا ہے

گیتا

کھڑا ہے دیر سے خاموش ارجن
کر کشیتر میں آہن پوش ارجن

خیالوں کا سمندر بہہ رہا ہے
بگڑ کر دل ہی دل میں کہہ رہا ہے

ہے بیرونِ خرد، پروازِ ہر تیر
مثالِ وسعتِ جست مہابیر

حقیقت ہے یہ مہرِ آسماں کی
ہے چوٹ ابھری ہوئی گُرزِ گراں کی

عدو بھاگے ہیں سو سو کوس آگے
یگانے ہیں کھڑے افسوس آگے

ہے یاں رشتہ رگِ جاں سے زیادہ
ارادہ اور لڑائی کا ارادہ

کہا، "یہ جسم ہے مانندِ پوشاک
یہ بوسیدہ ہو جب اُڑنے لگے خاک

یہ باطل ہے، یہ ناقص ہے، یہ فانی
حباب آسا ہے اس کی زندگانی

ہے بزدل پر درِ خلدِ بریں بند
نہ ہو جائے یہ تجھ پر بھی کہیں بند

جُدا ہے آتما فرسودگی سے
یہ آلودہ نہیں آلودگی سے

یہ ہے قیدِ چمن سے پھول آزاد
بیاباں میں ہو جیسے غول آزاد
اِسے شعلہ، جلا سکتا نہیں ہے
اِسے پانی، بہا سکتا نہیں ہے
اِسے صرصر، اُڑا سکتی نہیں ہے
اِسے مٹی، دبا سکتی نہیں ہے

ہے ہر عضوِ بدن، نخچیرِ فطرت
نہ ہو گر فعل، معنی گیرِ فطرت
قدم، رفتار اپنی بھول جائے
زباں، گفتار اپنی بھول جائے

نظر کو لازمی ہے آنکھ کھولے

زباں مجبورِ فطرت ہے کہ بولے

نجومِ بخت ہیں تابندہ اِس سے

ہر اِک فانی ہے گویا زندہ اِس سے

بشر فطرت کے یوں زیرِ عناں ہی

کہ جیسے تیر پابندِ کماں ہی

سمجھ بیٹھے ہیں لا یعقل یہ جی میں

کہ ہر شے کی ہے قدرت آدمی میں

وہ سنتے ہی نہیں مضمونِ فطرت

وہ ہوتے ہی نہیں ممنونِ فطرت

حماقت کی بھی کوئی انتہا ہے

مرض ان کا جہاں میں لادوا ہے

کہا ”ہے کرم اچھا، گیان اچھا

کہے آخر کیسے انسان اچھا“

کہا ”دونو ہیں ناقوسِ حقیقت

چراغِ راہ، فانوسِ حقیقت

یہ دونو مجھ مستور کے ہیں

فروزاں قمقمے دو نُور کے ہیں

جو ایواں نفسِ بد کا ڈھا چکے ہیں

وہ اطمینانِ قلبی پا چکے ہیں

یہ ازلی ہیں ابد تک جینے والے
معارف کی صبوحی پینے والے
عوام النّاس سے یوگی ہیں بہتر
غم و آلام کی دُنیا کے اندر
ہیں دِل آلائشوں سے پاک رکھتے
یہ اپنے پاس ہیں وہ خاک رکھتے
ہے جسکے سامنے اکسیر کیا چیز
سفوفِ زندگانی بھی ہے ناچیز
مگن رہتے ہیں اپنے حال میں یہ
نہیں پھنستے ہوَس کے جال میں یہ

نہ فکرِ سود، نے رنج زیاں ہو

ترانہ شکر کا وردِ زباں ہو

جب تک ایسے جو عابد ہیں جہاں میں

ہے جادو کا اثر جن کی زباں میں

سمجھتے ہیں رہے گا ہو کے ویسا

لکھا قرطاسِ فطرت پر ہے جیسا

مجھے انعام کی خواہش نہیں کچھ

نمود و نام کی خواہش نہیں کچھ

پئے نظمِ جہاں گر لوں نہ حصّہ

اصولاً ختم ہو جائے یہ قصّہ

ہو مستقبل کی ماضی سے وہ ٹکر

کہ اہلِ حال کو آجائیں چکر

کہاں رہتے ہیں یہ دُور از ذکا کیوں

بشر کرتے ہیں دانستہ خطا کیوں

کہا، بدکیش و آوارہ بشر ہیں

حواسِ خمسہ کے زیرِ اثر ہیں

یہ خاطی ہیں، خطا ہے کام انکا

ہے فہرستِ فنا میں نام انکا

سُن اے ارجن کہوں اِک بھید تجھسے

ہے سورج تک نے سیکھا یوگ مجھسے

منو پھر یوگ سے آگاہ ہو کر

بہت چمکا فروغِ ماہ ہو کر

ہوا پھر اکشواکو اِس سے سیراب

رہا تا دیر جاری اِس کا سیلاب"

کہا: "مہراج! یہ تو مر چکے ہیں

سفر دارِ فنا سے کر چکے ہیں

ازل سے اِس جہاں میں جلوہ گر ہو

ہمیشہ جینے والے کیا بشر ہو"

کہا: "ارجن مجھے بھگوان سمجھو

نہ اوروں کی طرح انسان سمجھو

تو نگرہ گھس گیا ہے چور کے گھر

نرائن آگیا ہے مور کے گھر

مکاں میں آگئی ہے لامکانی

نشاں کی شکل میں ہے بے نشانی

فنا کے عرض میں طولِ بقا ہوں

لباسِ آدمی میں کبریا ہوں

ستم سے جب ہوں آلودہ فضائیں

بشر کی شکل میں بھگوان آئیں

کریں انسان بن کر ناخدائی

چلے نقشِ قدم پر تا خدائی

میں لاکھوں بار ایسے آ چکا ہوں
ہزاروں معجزے دکھلا چکا ہوں
دفینہ وار کھدوایا گیا ہوں
خزینہ وار دفنایا گیا ہوں
میں جتنی بار دہرایا گیا ہوں
رگِ جاں کے قریں پایا گیا ہوں

ہے مجھ سا لامکاں ہر جا پہ موجود
مرے زیرِ نگیں ہے ہست اور بود
بنا کر صاف اپنی آب و گِل کو
مجلّا آئینہ ساں کر کے دِل کو

علائقوں سے علاقہ توڑتا ہے
کہ خواہش کی بھی خواہش چھوڑتا ہے
میں اسکے دل کے اندر جاگزیں ہوں
غضب ہوں لامکاں ہو کر مکیں ہوں
نہ جانا تو نے اب تک خانہ برباد
ترا ظلمت کدہ ہے خالق آباد
ہے نُورِ کبریا ہر شے کے اندر
ذرا کھولو تو اپنی آنکھ کے در
تم اے ذرّو حقیقت آشنا ہو
وہ گر خالق ہے تم خالق نما ہو

ہے جبتک من کے اندر بیقراری
نہیں ممکن جمالِ ذاتِ باری

ضروری ہے ہو سطحِ آب ساکن
برائے عکسِ مہ تالاب ساکن

نہیں چشمِ ارادت باز جبتکی
پڑی مضراب ہے بے ساز جبتکی

ہے انکا گیان سیلابِ خطر میں
گلو تک غرق، گردابِ خطر میں

دلائل کا یہاں ہے قافیہ تنگ
شریعت ہے مثالِ آئینہ زنگ

دلِ انساں میں یوں جلوہ کُناں ہے
عقیدت، بامِ ایقاں، نردباں ہے
مریدوں کا عقیدت مند ہونا
ہے کِشتِ قلب میں عرفان بونا
ہے ترکِ فعل ناممکن جہاں میں
تعلق فعل سے ہے جسم و جاں میں
تیاگ اسکا نہیں ہے نام ارجن
نہ بے بادہ اٹھاؤ جام ارجن
مُراد اس سے ہے غیر آلودہ ہونا
مثالِ فکر نامحدود ہونا

بشر کے واسطے دُنیا کے اندر
یقیناً تیاگ سے ہے یوگ بہتر
یہ وہ مشکل ہے جو آساں بہت ہے
یہ وہ حکمت ہے جو ارزاں بہت ہے
رضا جوئی میں جن کی صرف ہو گی
وہی کہلائیں گے دُنیا میں یوگی
ہوس ایسوں کا لوہا مانتی ہے
انہیں دنیا میں حاصل شانتی ہے

پانڈوں سے دلیر آتے ہیں میدانِ وغا میں
بھاگڑ سی ہے دشمن کے نقوشِ کفِ پا میں
پیدائشِ ہنگامۂ محشر ہے فضا میں
سکتے ہیں عیاں گنبدِ گردوں کی صدا میں
اِک شور سا برپا ہے اسد غار سے نکلے - تیروں سے چلے آتے ہیں تلوار سے نکلے

ایک ایک جگر دار ہے، ایک ایک جری ہے
میدانمیں ادرو انکا نحوست سے بری ہے
رتھ ہے کہ بلا ہے یہ شرارت سے بھری ہے
بجلی ہے، چھلاوہ ہے، تخیل ہے، پری ہے
سُرعت سے نکل جائے ابھی دشتِ وغا سے - یہ کارِ عناں لیتی اگر موجِ ہوا سے

پُرخشم وہ تیور ہیں کہ شیروں کو ڈر آئے

فوجوں کے رسالے تہ و بالا نظر آئے

جنگاہ میں کہتے ہیں سپاہی کدھر آئے

ہے بھیم طلبگار کرن کا ادھر آئے

ضیغم کو عتاب آیا ہے دیکھا نہیں جاتا۔ نزدیک نکل سین کے کوئی نہیں آتا

دشمن کے ہراول کو بغاوت کا خطر ہے

ارجن کی غضبناکی و ہیبت کا اثر ہے

عرصے سے یدھشٹر کی درودھن پہ نظر ہے

اعدائے بد اندیش ادھر موت ادھر ہے

سہدیو کا غصے سے عجب حال ہوا ہے۔ آنکھ آئی ہوئی غیظ سے منہ لال ہوا ہے

پانڈونکے تصور سے بگڑ جاتے ہیں خود سر

آشفتگیٔ زلف ہے ترتیب کے اندر

مشاطۂ موت ایسے میں یاد آتی ہے اکثر

اک نالۂ پُر سوز ہے بھیشم کی زباں پر

اے کاش ستمگر کا نمک کھایا نہوتا۔ یوں اِنکے مقابل بخدا آیا نہوتا

میدانِ جدل میں ہے بپا ایک قیامت

گیسو کی طرح گھیرے ہے اعمال کی شامت

اوسان ہیں قائم نہ حواس اُنکے سلامت

شیرونکا تہور کہاں بودونکی علامت

دشمن کے قریب آ رہے ہیں کس فرطِ غضب سے۔ شیرونکے چلن سیکھ ہے جدا ہو ہیں سب سے

دشمن کی زباں پر ہے کہ لو آتے ہیں دشمن
موت آتی ہے پیغامِ اجل لاتے ہیں دشمن
آمادۂ پیکار جونہی پاتے ہیں دشمن
چھا جاتی ہے ہیبت سی لرز جاتے ہیں دشمن

روباہ صفت دل میں لعیں بھاگ رہے ہیں۔ بیٹھا ہے مکاں اور مکیں بھاگ رہے ہیں

آہن میں تنومند ہیں ہنگامِ وغا غرق
دیو اور سپاہی کی شباہت میں نہیں فرق
دیوار سے سرکش ہیں جدا غرب سے ہے شرق
ڈھالوں کی گھٹاؤں میں ہے تیزوں کی ضیا برق

تیزی کی ہے بارش کا سماں مدنظر آج۔ چٹکی میں ہوا خواہوں کے اڑجائیں گے سر آج

بیچین ہیں، غمناک ہیں، افسردہ ہیں ہمشیم

رخ، برگِ خزاں دیدہ ہے، پژمردہ ہیں ہمشیم

رنجیدہ ہیں، خاموش ہیں، آزردہ ہیں ہمشیم

مضطر ہیں، شمکش ہیں، الم خوردہ ہیں ہمشیم

یوں صید سے غافل ہے پڑا دشتِ محن میں۔ کہتی ہیں جسے جاں نہیں شیر کے تن میں

آراستہ سفاک ہیں سب دشنہ و کیں سے

خاموشیِ ہمشیم سے ہیں دم بازِ حزیں سے

دل مردہ سے ہیں موت گذر جاتی ہیں سے

ہے ہار چکی دلبر و تکی و دغا فوجِ لعیں سے

مقتل کو چلے بادلِ ناخواستہ ہمشیم۔ از راہِ وفا بھول گئے راستہ ہمشیم

پانڈو میں تھی بھگوان کنہیا کی فقط دیر

ہنگامۂ آمد سے ہوئے زیست سے جی سیر

آنکھوں میں چھلک سا گیا تلخابۂ شمشیر

چہرے کی چکاچوند سے چھایا ہوا اندھیر

یہ تیرگی ہے ہاتھ سجھائی نہیں دیتا۔ معذور ہیں کج رو کہ دکھائی نہیں دیتا

اس گھونگھٹ کی بھی عجب جلوہ گری ہے

مینائے نظر نور کے بادہ سے بھری ہے

تہ خانۂ دل ظلمتِ عصیاں سے بری ہے

یہ چھب ہے کہ منکر کی زباں پر بھی ہری ہے

ہے سانولی رنگت پہ غضب شال بسنتی۔ کاہن نے بچھا رکھا ہے کیا جال بسنتی

عشوہ یہ پیارا ہے دعا دیتے ہیں بھیشم

آئینۂ عرفاں کو جِلا دیتے ہیں بھیشم

دامانِ طریقت کی ہَوا دیتے ہیں بھیشم

سائے میں عقیدت کے سُلا دیتے ہیں بھیشم

بھیشم کی نگاہوں میں وہ یوں جلوہ نما ہے۔ بھگوان کا سایہ ہے کہ سانچے میں ڈھلا ہے

ہر گریۂ غم عین تبسّم نظر آیا

ذرّہ یہ فروزاں ہُوا انجم نظر آیا

جس ظرف پہ ڈالیں نظریں خم نظر آیا

قطرے میں سمایا ہوا قلزم نظر آیا

کیا شعبدہ انگیز کسی کی ہیں ادائیں۔ آنکھوں سے نہ اوجھل ہو خیالوں میں نہ آئیں

کیا غم ہے اگر عقدہ کشا ہی وہ بہاری

سُن لیتا ہے ایامِ مصیبت میں ہماری

یاد رہے غریبوں کا ہمیشہ سے مراری

رعشہ جسدِ اہلِ شقاوت پہ ہے طاری

اعدا میں سدرشن کا خطر صاعقہ زن ہے۔ کشتوں کی نمائش ہی صنم جلوہ فگن ہے

ارجن سے دلاور کو لڑائی سے ہے انکار

کوروں کو دلی پیار سے دیکھا ہے کئی بار

تیور میں عداوت کے عوض مہر نمودار

کہتا ہے اگر تیر چلاؤں تو خطا وار

ضیغم ہوں تو پنجہ نہ کرونگا کبھی اِن سے۔ ششدر ہوں کہ ہو آج لڑائی مری کن سے

پاتا نہیں یارائے دغا دل، ہیں کر دل کیا

ہیں قلب و جگر آنکھ کے شامل، ہیں کر دل کیا

بھائی ہے برادر کے مقابل، ہیں کر دل کیا

جز طعن نہ ہوگا مجھے حاصل، ہیں کر دل کیا

دُنیا یہ کہے گی ہوسِ جاہ عجب ہے۔ بھائی نے تہ تیغ کیے بھائی غضب ہے

خنجر کے عوض تیر یگانوں پہ چلاؤں

دنیائے اخوت میں یہ طوفان اٹھاؤں

خاموش ہوں، مر دبنوں، طیش میں آؤں

کٹ جائیں جگر دور سے جب آنکھ دکھاؤں

وہ آگ مرے دیدۂ خونخوار سے نکلے۔ غل ہو کہ شرارے دہنِ مار سے نکلے

نعرہ ہو مرا وقتِ غضب زلزلہ انگیز
کافی ہو کہساروں میں مری گونج خطر ریز
ہر مصرعِ موزونِ رجز تیغ سے ہو تیز
غصے کی گھڑی از پئے روباہ اسد خیز

آبِ دمِ شمشیر میں وہ لہر ہو پیدا۔ جوہر کے عوض افعیِ پُر زہر ہو پیدا

لاشوں پہ اٹھے لاش مری آنکھ نہ تر ہو
پتھر کا اگر دل ہو تو لوہے کا جگر ہو
پہلو میں اُتر جائے، وہ تلوارِ نظر ہو
پھر جائے جدھر آنکھ جہاں زیر و زبر ہو

ہتھیار سجانے جو لگوں اپنی کمر میں۔ بھونچال سے آنے لگیں میدانِ خطر میں

افزائش بیتابیٔ جنگ آنکھ سے ٹپکے

نیرنگیٔ عالم کا وہ رنگ آنکھ سے ٹپکے

یہ قتلِ اقارب کی اُمنگ آنکھ سے ٹپکے

آنسو کے عوض پارۂ سنگ آنکھ سے ٹپکے

غیروں سے مرا ظلم سوا ہاتھ بڑھا ہو۔ بھتیجا مرے نیزے کی سرِ نوک چڑھا ہو

اُٹھے جو پئے قتل وہ شل دستِ ستم ہو

جو پاؤں بڑھے سنگدلی سے وہ قلم ہو

جو دل کو دکھائے وہ بشر قیدیٔ غم ہو

میں ہوں کہ عدو اہلِ شقاوت میں بہم ہو

مجبور نہ کیجیٔگا کہ مجبور ہے ارجن۔ نشے میں انوت کے ابھی چور ہے ارجن

بگڑا یہ کماندارِ کماں دوش سے رکھدی

معلوم ہوا برقِ جہاں دوش سے رکھدی

بصورتِ ابروئے بتاں دوش سے رکھدی

تصویرِ خم کاہکشاں دوش سے رکھدی

غُل پڑ گیا رَن میں کہ مہِ نو اُتر آیا۔ بھگوان کی قدرت کا تماشا نظر آیا

گھنشام کا ارشاد ہے اجسام ہیں فانی

باقی ہے مئے رُوح مگر جام ہیں فانی

خمخانۂ ہستی کے در و بام ہیں فانی

کب عیش ہمیشہ ہیں جو آلام ہیں فانی

ہے صیدِ زبول نازیست کا پنجے میں اجل کے۔ رکھدیتی ہے جھٹکی سی تضا جسم مسل کے

ہے گرہِ فنا رشتۂ ہستی میں نمودار

اُلجھن ہے عبث ناخنِ تدبیر ہیں بیکار

جو کچھ بھی کہیں موت کو وہ کچھ ہے سزاوار

چلتی ہوئی شمشیر، لپکتی ہوئی تلوار

ہستی کے چمن زار میں آتشکدہ اس سے۔ رخسارۂ ایجاد ہے یرقاں زدہ اس سے

اِس عالمِ ایجاد کی فطرت ہیں فنا ہے

قلزم میں حباب اُبھرا کہ جو ٹوٹ گیا ہے

موزونیٔ قد آج جو انگشت نما ہے

اُس فردِ بشر کے لئے اک تیرِ قضا ہے

شعلہ سا نکلتا ہے ضعیفی کی کماں سے۔ میدان میں ٹھہرا نہیں جاتا ہے جواں سے

فرسودہ گئے جسم سے ارواح جدا ہیں

تن خاک کی مٹھی ہیں یہ مانندِ ہوا ہیں

انوار کی بارش ہیں، ستارونکی ضیا ہیں

جسمونمیں کئی پہلوؤں سے جلوہ نما ہیں

خوشبو ہے اگر گل کی تو سبزی ہے گیاہ کی۔ ہے روح سے رونق چمنستانِ بقا کی

انساں کو اجل آئے نہ کیوں بندہ بشر ہے

کو رونکو اماں اس سے نہ پانڈونکو مفر ہے

مٹی کے کھلونے ہیں انہیں ٹھیس کا ڈر ہے

زندہ ہے جو فطرت کے تہ دامِ اثر ہے

ہستی کا خبر دیتا ہے پیغام دہندہ۔ فانی ہو اگر روح کا اڑ جائے پرندہ

جبتک یہ سلامت ہے جسد، موت کا غم ہے
دُنیا کے لئے آج کھُلی راہِ عدم ہے
مرنا نہ اگر ساتھ ہو، بس زندگی سم ہے
جتنی بھی کریں موت کی تعریف وہ کم ہے

یہ زندگئے نو کی خبر دیتی ہے آکر۔ لاتی ہے عدم سے تمہیں آنکھوں پہ بٹھا کر

کیوں دیدۂ دل موت سے نمناک ہے ارجن!
یہ جسم تنِ روح کی پوشاک ہے ارجن!
تم تیر چلاؤ تو ابھی خاک ہے ارجن!
مانندِ گریبانِ سحر چاک ہے ارجن!

کوروں کیلئے آج تمہیں عقدہ کشا ہو۔ میں جنکا مسبب ہوں وہ اسبابِ لقا ہو

انکار نہیں جنگ میں موزونِ شجاعت
ہنگامِ جدل کرتے ہو کیوں خونِ شجاعت
شیروں کے جگر ہوتے ہیں مرہونِ شجاعت
سینوں پہ رقم کیجئے مضمونِ شجاعت

کیا رنگِ اخوت سے دلی رونقِ خد ہے۔ روباہ بنا ہے جو حقیقت میں اسد ہے

بزدل نہ بنو قوسِ ہلاکت کو سنبھالو
ترکش ہے کدھر، تیرِ شرربار نکالو
بگڑے ہوئے تیور سے نظر غیر پہ ڈالو
آنسو کی طرح فوج کو مژگاں پہ اٹھالو

غل ہو کہ نظر بنکے ہمیں کھا گیا ارجن۔ تنہا تھا ہزار دل پہ مگر چھا گیا ارجن

میدانِ کارزار کنھیا کا وعظ و پند

جوشِ غضب سے گرم ہوا شیرِ ارجمند

باطل سے لو بگڑنے لگی طبعِ حق پسند

اعدا کی فوج میں یہ ہوا غلغلہ بلند

مائل بغیظ آنکھ ہوئی ہے دلیر کی۔ لو عرصۂ قتال میں آمد ہے شیر کی

جنگاہ میں ورودِ کماندار، الحذر

وہ برقِ غیظ، چشمِ شرربار، الحذر

بگڑا ہوا وہ شیرِ جگردار، الحذر

سمٹی ہوئی وہ فوجِ ستمگار، الحذر

بودوں نے جنگ کی ہی شجاعت نواز سے۔ غل ہے نہ بچ سکینگی عصافیر باز سے

دہشت سے بزدلوں کا یہ حالِ تباہ ہے

ناقوس کی صدا سے عیاں آہ آہ ہے

ہیں منتشر جنود، پریشاں سپاہ ہے

بس کوئی دم میں رن کی زمیں قتلگاہ ہے

وہ وقت ہے کہ تیغ اٹھے اور سناں چلے۔ دریائے خوں میں کشتیٔ عمرِ رواں چلے

جھک کر کماں کو دوشِ زمیں سے اٹھا لیا

دیکھا عدو کی سمت، ذرا مسکرا لیا

اک شور تھا کہ شیر کو لو ورغلا لیا

پارتھ کا ہم سے روئے اخوت پھرا لیا

بھیشم نے آہ بھر کے کہا آسمان سے۔ وقت آگیا ہے اب کہ اٹھیں ہم جہان سے

پیری میں آہ و نالہ و فریاد آ کریں

خوں روئیں اور رسمِ شہیداں ادا کریں

گوروں کے واسطے صفِ ماتم بپا کریں

خاکِ وطن پہ رکھکے جبینیں دعا کریں

نااتفاقیوں نے ہمیں یوں پچھاڑا ہی۔ انکو اٹھا انہیں نے بھرا گھر اجاڑا ہی

اب زندگانیوں کی اگر صبحیں شام ہوں

تو اُن کے ساتھ بُغض و حسد بھی تمام ہوں

سینے صفائے قلب سے آئینہ فام ہوں

دل پہلوؤں میں بادۂ اُلفت کے جام ہوں

"ساقی ہو، شغلِ مے ہو، شبِ ماہتاب ہو"۔ ہندوستاں کی بزمِ طرب لاجواب ہو

نا آشنا خزاں کا رہے دور باغ سے

گلشن میں بلبلوں کی بسر ہو فراغ سے

کوئل کا واسطہ نہ رہے بوم و زاغ سے

پروانے ہوں اور اُنکا تعلق چراغ سے

بیچارگانِ قوم میں بس اتحاد ہو۔ الفت بڑھے، خلوص و محبت زیادہ ہو

محزوں کی آنکھ ساغرِ آبِ زلالِ ضبط

ابرو کمالِ ضعف سے گویا ہلالِ ضبط

موئے مژہ بصورتِ شاخِ نہالِ ضبط

مطلق رہا نہ ذکرِ وطن میں خیالِ ضبط

بے اختیار شیر کے آنسو نکل پڑے۔ غل مچ گیا صفوں میں کہ بھٹیم مچل پڑے

گرگانِ خوفناک کی آمد پئے نبرد

دہشت سے اہلِ جور کے چہرے وہ زرد زرد

واں فوجِ بیشمار یہاں صرف چند فرد

یہ اشتیاق آئیں مقابل اگر ہیں مرد

ہیں منتظر کہ فوج کے جونہی قدم بڑھے۔ اعدا کی سمت شیر کی مانند ہم بڑھے

چھائے ہوئے ہیں دیو صفت رزمگاہ پر

رعشہ ہے طاری خوفزدوں کی سپاہ پر

پھیلا چکا ہے خوب عقابِ نگاہ پر

آجائیں کینہ ساز اگر اب بھی راہ پر

فی الفور دستیاب ہو دامن پناہ کا۔ ورنہ ہے کیا مقابلہ کوہ اور کاہ کا

سمتِ عدو یہ ہشترِ عالی نسب بڑھے
مثلِ اسد کہ جانبِ بُز پُر غضب بڑھے
ہمشکلِ غیظ، صورتِ رنج و تعب بڑھے
بھیشم پکارے "بس نہ کوئی بے ادب بڑھے

روباہ ہو کے دیکھو اُلجھنا نہ شیر سے۔ تم مِل کے بھی تو لڑ نہ سکو گے دلیر سے

جس بنخیطر کے پاس سے گذرا دہل گیا
خیرہ سر دِنکی جان پہ آرہ سا چل گیا
اعدا سے مثلِ تیرِ حوادث نکل گیا
اِک خطرۂ عظیم تھا جو سر سے ٹل گیا

فوجوں کو چیرتا ہُوا بھیشم کے پاس تھا۔ فرطِ الم سے شیر کا چہرہ اداس تھا

کی التجا کہ اذنِ وغا دیجئے مجھے

بولے گرو سے "آپ دعا دیجئے مجھے

آئینۂ رضا ہوں جلا دیجئے مجھے

سائل ہوں نذرِ دستِ خدا دیجئے مجھے

تقدیر، دشمنوں کو اسیرِ بلا کرے"۔ ہنس کر دیا جواب انہوں نے "خدا کرے"

بہتان تھا جری پہ کہ بھائی سے ڈر گیا

کثرت سے دب گیا ہے، لڑائی سے ڈر گیا

لو دستِ تیغ زن کی صفائی سے ڈر گیا

دریودھنی سپہ کی بُرائی سے ڈر گیا

احباب آ رہے تھے ادھر پیچ و تاب میں۔ خاموش تھی زبان لڑائی کے باب میں

افسوس کھا رہے تھے یدھشٹر نے کیا کیا

ارجن یہ کہہ رہا تھا "برادر نے کیا کیا"

بگڑا ہوا تھا بھیم کہ سرور نے کیا کیا

سہدیو کو گلہ تھا مقدر نے کیا کیا

یہ رنج تھا حضور مگر کیوں اُدھر گئے۔ جوشِ نکل کے سینکڑوں طوفاں گذر گئے

ارجن کے رتھ کی اہلِ شقاوت میں دھوم ہے

ٹھہرے بھنور، چلے تو یہ موجِ سموم ہے

حسنِ فرس پہ عشوہ گری کا ہجوم ہے

کیا نقشِ سُم سے رَن کی زمیں پر نجوم ہے

ہر گام پر مقیم ہے پستی سے اَوج میں۔ آئی، کسی کی آئے یوں آئی ہے فوج میں

میدانِ کارزار میں کیا سر بلند ہے

رفتار دلپذیر، ادا دل پسند ہے

رو میں تو نیکی فوج کو خوفِ گزند ہے

اِک مورچے میں لاکھ ستمگار بند ہے

یہ عرصۂ قتال میں آئی بلا کی طرح ۔ طوفاں مثال قہر و عذابِ خدا کی طرح

نازک خرامیاں نہ ملینگی چکور میں

ہنگامِ رقص بات کہاں ہے یہ مور میں

تقدیر کو سُلا دیا ٹھوکر سے گور میں

آندھی سی چل گئی جو اُٹھی اپنے زور میں

پھر دُور غرب ہے، نہ بعید اس سے شرق ہے۔ خضرِ رہِ عدم ہے وجود اسکا برق ہے

گردش میں بختِ عاشقِ رنجور کا کلام

خطرے میں آرہا ہے عداوت کا اژدہام

نازک خرام و برق خرام و سُبک خرام

اُڑ جائے آسمان پہ لیں جو پری کا نام

سیلاب ہے یا موجِ بلا ہے چھلاوہ ہے۔ جو کچھ بھی ہے یہ ہے مگر اِنکے علاوہ ہے

دوشِ ہوا پہ شوخ ادا آئی سامنے

طنّازہ مثلِ فکرِ رسا آئی سامنے

غُل ہے قضائے اہلِ جفا آئی سامنے

اخگر بنعل، شعلہ بہ پا آئی سامنے

روئے زمیں پہ دل یہ جلے خال ہوگئے۔ اسوار جاں کے خوف سے پامال ہوگئے

پایا ہے باد پا سے مزاج اس نے چلبلا

میداں میں دشمنوں نے قضا کو لیا بُلا

بجلی ہے رتھ کسی پہ یہ عقدہ نہیں کُھلا

ورطہ ہے یا کہ بحرِ حوادث کا بُلبلا

پریوں کا اسکے سامنے بازار سرد ہے۔ وحشت خجل ہے غولِ بیابانی گرد ہے

پیکِ خیال اِسکے برابر نہ جا سکا

اُڑنے میں ہوش گرد کو اِس کی نہ پا سکا

اِس کا لتاڑا پھر نہ کبھی سر اُٹھا سکا

پھر ایسا بعد اسکے یہاں رتھ نہ آسکا

یہ آرزو ہے شام پھر اسمیں براجے ہوں۔ ارجن کماں بدوش ہو اور ساتھ باجے ہوں

سینہ سپر ہیں حشمتِ ذیجاہ اسطرف

اتنے بڑے بزرگ شہنشاہ اسطرف

شخصیتیں ہیں کتنی عظیم آہ اسطرف

اِک، لاکھ کا جواب ہے واللہ اسطرف

وہ سر سے پاؤں، پاؤں سے سر تک جو نیک ہے۔ ہمت میں فرد اور شجاعت میں ایک ہے

محسن، ملک سرشت، الوالعزم، پُر وقار

بھارت کا نورِ عین، سعادت کا افتخار

تسکینِ قلب، چہرۂ انور سے آشکار

پاؤں کی خاک، سرمۂ صد چشم اعتبار

کونین کی نگاہ میں عالیمقام ہے۔ ہمت کی چوٹیوں سے بلند اسکا نام ہے

وہ آنکھ۔ شاہزور کا دل جس سے جائے کانپ

ملتے ہی جو کلیجوں کی دھڑکن کو جائے بھانپ

کشتی میں دیو ۔ الیاز بردست جائے ہانپ

اعدا کی چھاتیوں پہ وہیں لوٹ جائے سانپ

جسکا طمانچہ روئے فلک نیلگوں کرے ۔ شیرانِ تندرست کی حالت زبوں کرے

پانڈوں اسد کے مدِ مقابل ہوں کیا مجال

غالب نہ آئیں اس سے لڑیں گر ہزار سال

گردوں پہ جوشِ غیظ میں ہاتھی دیئے اچھال

چاہے اگر تو باندھ لے تارِ نگہ سے کال

لشکر شکن ہے۔ چرخ فگن ہے۔ دلیر ہے۔ سو سال کے ضعیف کی صورت ہی شیر ہے

بعد از ادائے رسمِ قدمبوسئے جناب

ارجن نے آ کے غیظ میں اور ہو کے پُرعتاب

دشمن کو رزمگاہ میں بڑھ کر کیا خطاب

ضیغم گرج کے بولا کہ اے خانماں خراب،

حق مانگتے ہیں، دو جو ہمیں بے لڑے ہوئے۔ ٹل جائیں شیر جنگ و جدل پر اڑے ہوئے

ضیغم ہیں ہم، ہزبر ہیں ہم اور اسد ہیں ہم

اللہ کا عذاب ہیں۔ قہرِ صمد ہیں ہم

روزِ نبرد دشمنِ اعدائے بد ہیں ہم

تم یہ سمجھ رہے ہو یہاں بے عدد ہیں ہم

پانڈو ہمارے سامنے معدود چند ہیں۔ سو، متقلِ غضب ہیں ہماری سپند ہیں

نادان ہو خدا سے ڈرو، ہم سے خوف کھاؤ

شیرانِ خشمناک کے یوں سامنے نہ آؤ

بگڑے ہوئے ہیں اور ہمیں طیش میں نہ لاؤ

پاؤں کو سر پہ رکھکے ابھی یاں سے بھاگ جاؤ

مطلوب بشکروں کو اگر جاں کی خیر ہے۔ بھائیں کہ ضیغموں کو شغالوں سے بیر ہے

میں کہہ رہا ہوں بگڑا نہیں ہے تمہارا کچھ

انصاف سے کہو کہ نہیں حق ہمارا کچھ

تم سے ضمیر کر تو رہا ہے اشارہ کچھ

سوچو خدا کے واسطے، سمجھو خدارا کچھ

کیسا غضب ہے بھائی کا بدخواہ بھائی ہے۔ خودغرضیوں کی جنگ، ہوس کی لڑائی ہے

سنبھلو، کہ دیر ہے ابھی آغازِ جنگ میں

دیکھو، تم آرہے ہو عقابوں کے چنگ میں

برسے جو مثلِ ابر لڑائی کے رنگ میں

سو جان کا زیاں ہے ہمارے تفنگ میں

جوڑو گے ہاتھ، پاؤں پڑو گے، مناؤ گے۔ بعد از شکست رحم کے ٹسوے بہاؤ گے

مانگا جواب۔ فوجِ ستمگر نے ہنس دیا

تضحیک کی سپاہ نے، افسر نے ہنس دیا

لشکر میں ایک ایک بد اختر نے ہنس دیا

نیزوں کے پھل جو بھڑ گئے اخگر نے ہنس دیا

اعدا نے تیرِ آتشیں پھینکے جواب میں۔ پر خشم آنکھ اور بھی آئی عتاب میں

ناچار رزمگاہ میں آیا خدائے جنگ

یاں شیر آشتی پہ تُلے تھے بجائے جنگ

سودائیوں نکلے سر میں بھری تھی ہوائے جنگ

ناقوس کی صدا سے ہوئی ابتدائے جنگ

بھیشم میں زورِ بازوئے ربِ قدیر تھا۔ پیغامِ موت سب کے لئے اُنکا تیر تھا

چھوٹا کماں سے جو جب آزار ہو گیا

ثابت قدم عدو کیلئے خار ہو گیا

شمشیر بن گیا کہیں تلوار ہو گیا

پی پی کے خون اور بھی خونخوار ہو گیا

شعلہ صفت بھڑک کے یوں نکلا کمان سی۔ تارا تڑپ کے ٹوٹ پڑے کہکشان سی

پہلو سے دل میں، دل سے جگر تک اُتر گیا

سینوں کو چھید چھاد کے چھلنی سا کر گیا

افعی تھا، تن بدن میں غضب زہر بھر گیا

خوں میں نہا نہا کے دُلہن سا نکھر گیا

سر رشتۂ فنا میں سروں کو پرو دیا ہے۔ بہرِ وظیفہ کال کی زنّار گویا ہے

دشتِ وغا میں کُشتوں کے پُشتے لگا دیئے

سب خاکسار خاکِ وطن میں سُلا دیئے

ناوک فگن نے کوچے عدم کے بسا دیئے

ہندوستاں میں خون کے دریا بہا دیئے

تھا ڈھیر، جسکو تیرِ شرر بار لگ گیا۔ اِک عرصۂ قتال میں انبار لگ گیا

پیشِ غنیم تیغِ ندامت بدست ہیں

دل پاش پاش اور امیدیں شکست ہیں

دشمن مثالِ آہوئے مائل بہ جست ہیں

وہ شیر ہے کہ حوصلے شیر کے پست ہیں

چلتی نہیں ہے پیش ذرا قتلگاہ میں۔ بھیشم ہیں ایک آہنی دیوار راہ میں

قلبِ شجاع کو ہے ہزیمت کا اعتراف

یارائے گفتگو نہ رہا شیر کے خلاف

وہ مدعی جو ہانک رہا تھا ہزار لاف

خود اسکو آج جنگ و جدل سے ہے انحراف

جرار ہو کے شیر سے بازی نہ لے سکے۔ محجوب ہیں کہ دادِ شجاعت نہ دے سکے

کہتے ہیں تم نے موت کا چہرہ بگاڑا ہے

دیوِ ہوس کو پائے خرد سے لتاڑا ہے

خاکِ فنا میں دستِ تجرّد سے گاڑا ہے

تسکیں برس گئی ہے جو دامن کو جھاڑا ہے

ہم کون ہیں تمہارے مقابل جو آسکیں۔ ممکن نہیں پہاڑ جگہ سے ہلا سکیں

پہنچے دلیر خیمۂ بیشتم میں لا کلام

ضیغم نے اپنے پاس بٹھایا بہ احترام

جب دے چکے شرابِ عقیدت دلوں کے جام

کی عرض ہاتھ جوڑ کے "اے آسماں مقام

فرمائیے گا آپ کو کیسے شکست ہو۔ آقا، صلاح دیجیے کیا بندوبست ہو

بے فائدہ ہیں تجھ سے تبر آزمائیاں

ضرغام یاد کرتے ہیں تیری لڑائیاں

پنجہ کیا مروڑ کے رکھ دیں کلائیاں

تو نیک اور ہم میں ہزاروں بُرائیاں

کیونکر تجھے شہید کریں یہ بتا ہمیں۔ تیرِ اجل کا بنکے نشانہ دکھا ہمیں"

یاد آگیا کسی کا وہیں حُسنِ سرو قد

وہ پیکرِ وفا پہ ستم ہائے بے عدد

اشکوں سے لو لگائے ہوئے آفتابِ خد

نکلی ہوئی وہ نیک لبوں سے دعائے بد

پانڈوں کے اس سوال سے پُر اشک ہو گئے۔ غم کیلئے وہ قابلِ صد رشک ہو گئے

فرمایا "بزدلوں پہ نہ خنجر اٹھاؤنگا
اور نے مقابلے میں مخنث کے آؤنگا
سینہ سپر رہونگا، لہو میں نہاؤنگا
مرجاؤں گا پہ تیر نہ اِن پر چلاؤنگا
عورت کی شکل موت کا مجھکو پیام ہے۔ ہاتھوں میں اسکے میری ہلاکت کا جام ہے

لوٹے بخیر و امن اسد کے کچھار سے
بشاش ہیں کہ زندہ چلے آئے غار سے
اہلِ شکست پھرنے لگے کامگار سے
مایوسیوں کے دل سے دھلے کچھ غبار سے
زن چہرہ لا کے اسکے مقابل کھڑا کیا۔ ارجن پسِ شکھنڈی جری سے لڑا کیا

فرطِ غضب سے ہونٹ چباتا رہا دلیر
شیروں کی طرح خوں میں نہاتا رہا دلیر
مردانگی کی شان دکھاتا رہا دلیر
ہنس ہنس کے تیر سینے پہ کھاتا رہا دلیر
خاموش تھا شکھنڈی پہ اسکی نگاہ تھی ۔ آنکھوں نکلے آگے راجکماری کی آہ تھی

شاہِ الم نے فوج کی صف کو لپیٹا ہے
دہشت سے طائروں نے پروں کو سمیٹا ہے
راہِ عدم میں شنتنو راجہ کا بیٹا ہے
زخموں سے چور سیج پہ تیروں کی لیٹا ہے
زخمی ہوا ہے بازوئے ہمت سپاہ کا ۔ برپا ہے قتلگاہ میں شورہ آہ آہ کا

سُونا نظر آتا ہے نیستانِ شجاعت

ڈھونڈھے ہے نظر ضیغمِ میدانِ شجاعت

لو ڈوب چلا مہرِ درخشانِ شجاعت

پُر ہَول ہوئی شامِ بیابانِ شجاعت

تقدیرِ عدو سینۂ غم کوٹ چکی ہے۔ سچ ہے کہ درود مت کی کمر ٹوٹ چکی ہے

جنگاہ میں ہر سمت اُداسی سی ہے چھائی

وہ خوابِ عدم اور وہ بھیشم کی جمائی

تا گنبدِ افلاک ہے نالوں کی رسائی

زخمی کے لئے عرش پہ روتی ہے خدائی

ارجن کا ہدف سیج پہ تیروں کی پڑا ہے۔ اِک شیر جو لیٹا ہے، تو اِک شیر کھڑا ہے

زخموں سے ہے گو چور مگر زندہ ابھی ہے

غش طاری ہے جرار پہ بیہوش کبھی ہے

سوکھے ہوئے ہونٹوں سے عیاں تشنہ لبی ہے

ساغر کی طلب سینۂ سوزاں میں دبی ہے

پیاسے کے تصور میں امنڈ آئی ہے جمنا۔ پھر دل نگۂ تشنہ میں لہرائی ہے جمنا

اے چرخ سے اشارے میں کہا کیجئے سیراب

میں تشنہ دہن اور ترے تیر میں ہے آب

یہ پیاس کی شدت ہے ہوا جاتا ہوں بیتاب

ظاہر ہوئی ترکش میں تڑپ صورتِ سیماب

یہ برقِ بلا چمکی ہے یا تیر گیا ہے۔ کیا سینۂ میدانِ وغا چیر گیا ہے

جو تیر سے چھوٹے وہ فوارا بھی غضب ہے

بہتے ہوئے پانی کا نظارا بھی غضب ہے

جمنائے شجاعت کا کنارا بھی غضب ہے

ہنگامِ عطش پیاس کا یارا بھی غضب ہے

اک تیر سے کیا چشمۂ شیریں اُبل آیا۔ بل کھاتا ہوا اژدرِ ابیض نکل آیا

سنّاٹا چھا رہا ہے جدھر کیجئے نظر

گرگ و غزال بھاگ رہے ہیں اِدھر اُدھر

دہشت سے پھڑپھڑاتے ہیں طائر درخت پر

اُڑتی ہوئی خبر ہے کہ آتا ہے شیرِ نر

بھاگے وحوش دامنِ صحرا کو پھاڑ کے۔ ہیبت سے پاؤں پھول گئے ہیں پہاڑ کے

آئے ہیں رزمگاہ میں کس آب و تاب سے

شمشیرِ انتقام لٹکتی ہے ڈاب سے

دل خون ہو گیا نگہِ پُر عتاب سے

جاں کپکپا گئی اسدِ لاجواب سے

کوروں کا آج قائدِ اعظم دلیر ہے۔ غُل ہے ورونا چاریہ جنگل کا شیر ہے

آمد ہے تُند خُو کی زمیں زلزلے میں ہے

ذرّے سے لے کے مہرِ مبیں زلزلے میں ہے

تحت الثریٰ و عرشِ بریں زلزلے میں ہے

وہ کون ہے جو آج نہیں زلزلے میں ہے

گاوِ زمیں کا پاؤں ٹھہرتا نہیں کہیں۔ رعشہ سے ڈر ہے گر نہ پڑے وہ نہیں کہیں

اسوار جس فرس پہ وہ شیرِ درندہ ہے
جھونکا ہے، سیلِ آب ہے، برقِ جہندہ ہے
تیراک تیرتا ہے ہوا میں، پرندہ ہے
موجِ نسیمِ خلد کا نام اس سے زندہ ہے
طاؤس ناچتا ہوا آیا سپاہ میں۔ ناگہ ہوا نزولِ پری رزمگاہ میں

رفتار میں روانیِ جمنا کے رنگ ہیں
اس کے نقوشِ سم گویا گردابِ گنگ ہیں
فکرِ رسا کے قافیے چالوں سے تنگ ہیں
محشر خرامِ عالمِ بالا کے ڈھنگ ہیں
اِس سے گزند پہنچا ہی کب خیال کو۔ گردوں کا ہنس بھول گیا اپنی چال کو

ضیغم صفوں کو چشمِ زدن میں الٹ گیا

اِک اِک پرے کو آن کے رن میں الٹ گیا

گیتی کو عہدِ چرخِ کہن میں الٹ گیا

گنگا کو زلزلے سے جمن میں الٹ گیا

لیجا کے دُور کوروں نے ارجن کو گھیرا ہے۔ پانڈوں سے آج بخت نے رُخ اپنا پھیرا ہے

رستے ہیں بند فوج کے قلعے کو توڑے کون

دیوارِ آہنی سے خیال اپنا پھوڑے کون

اِس بحرِ بے کنار میں دوڑائے گھوڑے کون

تیرِ قضا کمانِ حوادث پہ جوڑے کون

ارجن کی واپسی کا یقیں آئے کس طرح ہے بھیم کی تمنا مگر جائے کس طرح

خورشید کی صورت کا حسیں آتا ہے رن میں

اکبر منیو سا خندہ جبیں آتا ہے رن میں

صیّاد پئے جانِ حزیں آتا ہے رن میں

ضیغم صفِ اوّل کے قریں آتا ہے رن میں

ناگاہ کئی لاکھ علم ہو گئے نیزے . جب تیغِ نگہ اٹھی قلم ہو گئے نیزے

معشوق کی، محبوب کی، دلبر کی ہے آمد

سردار کی سالار کی سرور کی ہے آمد

جرّار کی، جانباز کی، صفدر کی ہے آمد

حامی کی، مددگار کی، یاور کی ہے آمد

لشکر سے چلا شیر، گرجتا ہوا آیا - اک ابرِ غضب تھا کہ برستا ہوا آیا

بکھرائی ہوئی زلف میں عارض کی ضیا برق

چھائی ہے جو گھنگور تڑپ اٹھی ہے کیا برق

کاکل ہیں بلا اور ہے پابندِ بلا، برق

راکب کے ہیں انداز تو مرکب کی ادا برق

اسوار کہ گلفام ہے اشہب کہ پری ہے۔ جنگاہ میں دونو کی غرض جلوہ گری ہے

اعدا سے پکارا کہ یہ لشکر ہیں تو کیا ہیں

نیزے ہیں تو کیا اور یہ خنجر ہیں تو کیا ہیں

انبوہ ہیں گرچند دلاور ہیں تو کیا ہیں

تنہا ہوں تو کیا، تم سے ستمگر ہیں تو کیا ہیں

بھیشم کی شجاعت مری ہمت سے بھڑا لو۔ روباہ خصالو! مجھے شیروں سے لڑا لو

ناگاہ برسنے لگی تلوار پہ تلوار

تھرّا کے گرا غیظ سے دیکھا جسے اِک بار

بپھرا جو اسد توڑ کے رکھدی صفِ اغیار

کیا خوب لڑا آج سبھدرا کا جگر دار

پامالِ ستم خاک پہ دشمن نظر آیا۔ جب سمت گیا، شور ہُوا "شیرِ نر آیا"

شمشیرِ جیدرتھ، جو نہتے پہ چل گئی

بجلی تھی ظلم و جور کے سانچے میں ڈھل گئی

ابھمنیو پہ خون کی پیاسی مچل گئی

پامالیوں پہ آئی عجب گُل کھِل گئی

سبھدرا کا الم سے کلیجہ پھٹتا ہے۔ ارجن خموش اور یدہشٹر کو سکتہ ہے

چار آئینہ کو توڑ کے، بکتر کو پھاڑ کے

خاکِ فنا میں ہمتِ مردانہ گاڑ کے

دل سے بگڑ کے، شوقِ وغا چھوڑ چھاڑ کے

ہندوستاں میں گوشۂ گمنامی تاڑ کے

خدشہ ہے قتلگاہ سے ارجن نکل نہ جائے۔ دل کے دھنی کا عزمِ مقدس بدل نہ جائے

دیکھی جو لاش جوشِ غضب صرفِ چیں ہوا

اعنی شکن نصیبِ فروغِ جبیں ہوا

ارنہ بہرِ انتقام جری خشمگیں ہوا

پُر از ہراس مجمعِ اربابِ کیں ہوا

قاتل کو لے لیا ہے گرو نے پناہ میں۔ اک شور ہو گیا ہے بپا قتلگاہ میں

پیش از غروبِ مہر جو قاتل کا سر نہ لوں

برچھی پہ قلب، نوکِ سناں پر جگر نہ لوں

میں انتقام چاند سے بیٹے کا گر نہ لوں

کہتا ہے شیر نامِ وغا عمر بھر نہ لوں

خوں میں نہانا، آگ میں جلنا گوارا ہے۔ اِس زندگی سے موت کا صدمہ پیارا ہے

نکلا کماں پہ تیرِ ہلاکت کو جوڑ کر

بڑھتا چلا گیا صفِ اعدا کو توڑ کر

ہر پنجہ آزما کی کلائی مروڑ کر

صدہا ظروفِ زندگی ٹھوکر سے پھوڑ کر

قاتل کی جستجو میں گرد تک پہنچ گیا۔ صدمے کی طرح قلبِ عدو تک پہنچ گیا

اعدا سے پوچھتا ہے "کہاں بد خصال ہے

عصفور کا عقاب سے بچنا محال ہے

قطرے کو آفتاب کے ہوتے زوال ہے

جو چھپ گیا ہو شیر کے ڈر سے شغال ہے

ترکش کو چشمِ غیظ سے دکھلا دیا انہیں - دشتِ جدل کی خاک پر تڑپا دیا انہیں

دستِ قضا سے تیر فگن نے چلایا تیر

پُر از ہراس ہو گئے پکارے "وہ آیا تیر"

لشکر شکن نے غیر پہ خوب آزمایا تیر

ہنس ہنس کے چٹکیوں میں کرن نے اُڑایا تیر

سینے پہ بڑھ کے روک لیے وار شیر نے - خورشید چھپ گیا تو پکارا دلیر نے

اب جیدرتھ پہ تیر چلاؤ تو حیف ہے

اب جوشِ انتقام میں آؤ تو حیف ہے

اب چشمِ غیظ اس سے ملاؤ تو حیف ہے

اب آگ میں نہ جل کے دکھاؤ تو حیف ہے

سورج چھپا ہے، دیکھو سلامت ہے جیدرتھ۔ با تیغِ آبدارِ شہامت ہے جیدرتھ

خورشیدِ آسماں پہ معاجب نگاہ کی

شیرِ جری نے ایک زبردست آہ کی

دنیا اداس آئی نظر رزمگاہ کی

ظلمات کی حریف تھی شامت گناہ کی

ارجن کا سر وفورِ ندامت سے جھک گیا۔ ترکش کی سمت ہاتھ بڑھا تھا کہ رک گیا

تقدیرِ دشمنانِ وفا کی چمک گئی

مینائے قلب، فرطِ خوشی سے چھلک گئی

ناقوسِ فتح پھنکا کہ صدا دُور تک گئی

سُورج چھپا کہ فوجِ مچل یک بیک گئی

میدانِ کارزار کا نقشہ بدل گیا۔ ناگاہ صیدِ دستِ قضا سے نکل گیا

نگہِ کرم غیور پہ ڈالی شیام نے

پھینکا گیا جری پہ گلال ابتسام نے

گویا لگے ستونِ شجاعت کو تھامنے

ناگاہ آفتاب تھا ارجن کے سامنے

اربابِ کیں میں چھپنے نہ پایا ستم شعار۔ خاکِ فنا پہ خوں میں نہایا ستم شعار

پھر کل کیطرح آج گروہ تیغ بکف ہیں

ہمراہ کئی لاکھ عدو تیغ بکف ہیں

آنکھوں سے برستا ہے لہو تیغ بکف ہیں

کٹ جائینگے لاکھوں کے گلو تیغ بکف ہیں

چڑھ آئے ہیں دریا خطرناک کیصورت ۔ بہ جائینگے پاندہ خس و خاشاک کیصورت

بارش ہوئی تیروں کی یہ کثرت سے چلے تیر

ہمصورتِ آفات سروں سے نہ ٹلے تیر

سینوں سے لگائے تو کلیجوں سے ملے تیر

روشن تھی کچھ ایسے کہ شعاعوں میں ڈھلے تیر

شعلے سے نکل آئے کمانوں سے بھڑک کے ۔ صیاد ہیں رہگیا طائر سا پھڑک کے

غُل ہے کہ گُرو آج بھی مغلوب نہ ہوگا

آغاز کا انجام مگر خوب نہ ہوگا

شیر ایسا لڑائی میں خوش اسلوب نہ ہوگا

وہ حوصلہ پایا ہے کہ مرعوب نہ ہوگا

میداں میں جب آتے ہیں تو چھاجاتے ہیں رن پر۔ اک کپکپی پڑجاتی ہے تیروں کے بدن پر

گرمِ مصاف تھے کہ پسر کی خبر اُڑی

شعلہ مزاج و برق نظر کی خبر اُڑی

ہوش اُڑ گئے جو لختِ جگر کی خبر اُڑی

نوکِ سناں پہ کاسۂ سر کی خبر اُڑی

دِل تھام کر گرو نے کہا سر بسر غلط۔ اس شیر دل جواں کی شہادت، مگر غلط

میدانِ کارزار میں جو بے عدیل تھا

ضرغام سا قوی تو پری سا جمیل تھا

ہیبت سے جس کی لشکرِ دشمن ذلیل تھا

لیکن جو مر گیا وہ حقیقت میں فیل تھا

جنگاہ ہیں گرد سے عجب چال کر گئے۔ جو سرفراز تھا اُسے پامال کر گئے

غُل تھا گرو بھی راہیِٔ ملکِ عدم ہوئے

دھوکے سے قتل صاحبِ تیغ و عَلَم ہوئے

سرکش، قتیلِ خنجرِ غم یک قلم ہوئے

دو لاکھ کے قلوب رہینِ الم ہوئے

بیٹے نے چشمِ غیظ سے دیکھا کماں کی سمت۔ تنہا بڑھا عتاب میں فوجِ گراں کی سمت

دریائے بے کنار جری نے بہا دیئے

خوں میں جہاز عمرِ رواں کے چلا دیئے

اعدا کی ہستیوں کے پرخچے اُڑا دیئے

آتش نفس نے خرمنِ ہستی جلا دیئے

شیرِ ستیزہ کیش کا چھلنی بدن ہُوا۔۔بیجاں ہُوا تو تیغ کا سایہ کفن ہُوا

غم کی چٹان پہ ہے درد و حزیں کھڑا

حیراں، شکستہ خاطر و اندوہگین کھڑا

لاشوں کے درمیاں ہے گرانِ خشمگیں کھڑا

ضرغام ہے کچھار میں چیں بر جبیں کھڑا

لاشے کو دیکھ مائلِ ترکش ہوئی ہے آنکھ۔کیا دفعتاً ہزبر کی سرکش ہوئی ہے آنکھ

ارجن کماں بدوش چلا جنگجو کی سمت

صیّاد جاں بکف، اسدِ تُند خُو کی سمت

لشکر سے زود رنج بڑھا تُرش رُو کی سمت

پہنچا عدو کی جان کا دشمن عدو کی سمت

ہونے لگا مقابلہ تیر و تفنگ سے۔ دیکھا پلنگ دست و گریباں پلنگ سے

ہمت کی تیغ دشنۂ جُرأت سے لڑ گئی

شیر دنکی آنکھ خاکِ ندامت میں گڑ گئی

ایسے لڑے کہ جان شجاعت میں پڑ گئی

قالب سے رُوح اہلِ وغا کی بچھڑ گئی

رَن کانپتا تھا جنگ دلیروں کی دیکھکر۔ ڈرتے تھے شیر حتّٰی نیں شیر دنکی دیکھکر

انصاف کہہ رہا ہے کرن بے مثال تھا

تیور سے آشکار غضب کا جلال تھا

گوکل کے ساکنوں سے کہیں خوشجمال تھا

یہ واقعہ ہے دل سے فدا نند لال تھا

رن میں کرن کی تیغ بسالت نہ کام آئی۔ تقدیر تھی کہ موت کا لیکر پیام آئی

دوشِ غضب سے اُس نے اٹھائی نہ تھی کماں

پنجے میں شیر کے ابھی آئی نہ تھی کماں

ابرو کی ہمخیال بنائی نہ تھی کماں

تیور کے تیچے سے ملائی نہ تھی کماں

زور آوری میں گر کے سنبھلنے دیا نہ حیف۔ قسمت نے بزدلوں پہ مچلنے دیا نہ حیف

خونِ کرن حریف کی گردن پہ رہ گیا

دھبّہ یہ اہلِ حشر کے دامن پہ رہ گیا

اب انحصارِ جنگ دریودھن پہ رہ گیا

کہتا ہے بھیم "لینا یہ سر تن پہ رہ گیا"

تالاب میں چھپا ہوا پایا خطا شعار۔ لو پنجۂ عقاب میں آیا خطا شعار

شاہینِ غیظ تیر سا آیا شکار پر

نازل ہوئی بلائے غضب بد شعار پر

ٹوٹا پہاڑ غم کا سرِ تاجدار پر

گرزِ ستم بلند ہوا نابکار پر

کھائی وہ چوٹ کاسہ سر جکنا چور تھا۔ خود سر سے انتقام کا لینا ضرور تھا

کتاب ہذا

باہتمام ابو رضا عطاء اللہ پرنٹر، ثنائی پریس امرتسر میں چھپی

اور دفتر

نفیس بک ایجنسی

کوچہ سندھی خان کوتوال امرتسر

سے شائع ہوئی

۱۹۳۱ء

قیمت :- ایکروپیہ چار آنہ